ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

روزنامہ اسلام

اتوار

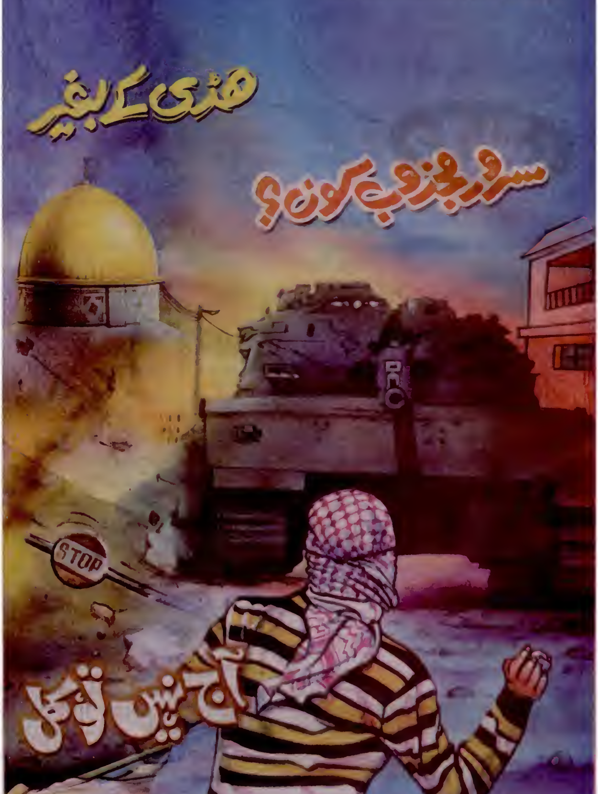

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس دن کا ڈر

وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں O (اور ان سے کہتے ہیں کہ) ہم تو تمھیں صرف اللہ کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ O ہمیں تو اپنے پروردگار کی طرف سے اس دن کا ڈر لگا ہوا ہے جس میں چہرے بری طرح بگڑ گئے ہوں گے۔

خبردار

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے جب کہ آپ منبر پر تھے:
"اور کافروں کے لیے جس قدر تمھیں طاقت ہو، قوت تیار کرو، خبردار قوت تیر اندازی ہے، خبردار قوت نیزہ اندازی ہے، خبردار قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔ (مسلم)
یعنی ہر طرح کے اسلحے کی تربیت لو۔

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: آج 2 ستمبر ہے، سالنامہ کل صبح سویرے آپ سب تک پہنچا دیا گیا تھا.. لہٰذا صبح سے ہی "فونوں" کا سلسلہ شروع ہو گیا.. سب سے پہلا فون حسب معمول مفتی جمیل الرحمٰن عباسی بہاول پور کا موصول ہوا.. دوسرا فون پروفیسر اسلم بیگ اسلام آباد کا تھا..

موبائل فون کے ذریعے جو پیغامات فوری طور پر ملے.. وہ الگ سے اس شمارے میں شامل کر رہا ہوں.. یہ شمارہ 590 ہے.. آج ہی شروع کیا ہے.. اس کے مکمل ہونے تک سالنامے کے بارے میں خطوط شروع ہو جائیں گے، لہٰذا آیندہ شمارے میں شامل کرنے کی کوشش کی جائے گی..

سالنامہ جس قدر تاخیر سے شائع ہوا، اسی قدر بے چینی سے اس کا انتظار کیا گیا.. ادارے کے سامنے نہ جانے کیا مصلحتیں تھیں کہ انھوں نے اسے پورے تین ماہ کی تاخیر سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا تھا.. ان کا یہ مسئلہ مجھ پر تو گویا قیامت بن کر ٹوٹا ہی تھا.. قارئین پر بھی قیامت ڈھا گیا... گویا... دو طرف قیامت کا سامنا تھا.. قیامت تو ایک طرف بھی بہت تھی..

ایک خاص بات کا نوٹس قارئین نے فوراً ہی لے لیا.. بلکہ سب سے پہلے محترمہ نادیہ حسن اسلام آباد نے نوٹس لیا.. یہ کہ سالنامے میں اشتہارات بہت کم تھے... اس پر انھوں نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا.. ان کے برعکس بچوں کا اسلام کی ایک قاریہ اور ادیبہ ہیں... آمنہ شکیل حیدر آباد.. انھوں نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ میں بچوں کا اسلام کی عجیب قاریہ ہوں... مجھے بچوں کا اسلام میں زیادہ اشتہارات دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے... ان کا خط پڑھ کر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا...

آپ کو دراصل معلوم نہیں کہ سالنامہ کم سے کم اشتہارات کے ساتھ شائع کرنے کے لیے ہمیں کس قدر کڑوے گھونٹ بھرنے پڑتے ہیں... سچ پوچھیے تو ان کڑوے گھونٹوں کا مزہ سالنامہ دیکھ کر بھی نہیں گیا... اور لگتا ہے.. ابھی شاید کئی ہفتے تک نہ جائے.. ہاں اشتہارات سے بھرپور کوئی شمارہ دیکھ کر ضرور کڑوا پن غائب ہو سکتا ہے..

آپ کو دراصل معلوم نہیں... تمام اخبارات اور رسائل کی زندگیوں کا دارو مدار صرف اور صرف اشتہارات پر ہے.. اشتہارات نہیں تو اخبارات اور رسائل اپنی موت آپ مر جائیں.. پھر ہمارے اخبارات اور رسائل کا ایک اور سنگین مسئلہ بھی ہے.. اور وہ یہ کہ ہمارے اخبار اور رسائل تصاویر سے بے نیاز ہیں.. اور آج کل زیادہ تر مصنوعات تصاویر کے بغیر ہیں نہیں.. اور تصاویر والے اشتہارات ہم لوگ شائع کرتے نہیں.. لے دے کے ہمارے لیے اشتہارات دینے والا وہی طبقہ رہ جاتا ہے.. جو تصاویر کے خلاف ہے.. اور ملک میں یہ طبقہ کتنے فیصد ہوگا.. اور ان میں بھی کاروباری طبقہ کتنے فیصد ہوگا... غور فرمائیں..

بہر حال یہ طبقہ جتنے فی فیصد بھی ہے.. اسے تو چاہیے نا کہ وہ اپنے اشتہارات روزنامہ اسلام، بچوں کا اسلام، خواتین کا اسلام، ضرب مومن اور شریعہ اینڈ بزنس ہی کو دیں.. اور جوش و جذبے کے تحت دیں اور یہ سوچ کر دیں کہ حق ہی ان کا بنتا ہے.. یہ ادارہ جو اتنا کام کر رہا ہے.. اور کام کرنے کے لیے دن رات ایک کر رہا ہے.. تو آپ میں سے کاروباری حضرات کی بھی تو کچھ ذمے داری بنتی ہے.. آپ اپنی مصنوعات کے اشتہارات سے اس ادارے کی مدد کر کے نیک کام میں مدد کر سکتے ہیں... پھر ہمارے رسائل اور اخبارات کی تعداد اشاعت بھی ماشاء اللہ کم نہیں.. جن حضرات کی کوئی کاروباری مصنوعات نہیں ہیں.. وہ چندے کی مد میں مدد کریں.. اس طرح آپ ان کڑوے گھونٹوں کا اثر ختم کرنے میں ہماری مدد کریں گے... ورنہ آیندہ سالنامے تک یہ کڑوا پن باقی رہے گا... جی ہاں اور کیا! سالنامہ نہ ملنے کی صورت میں 03213557807 پر رابطہ کریں..

والسلام

سالانہ زرِ تعاون اندرون ملک: 600 روپے، بیرون ملک: 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ "بچوں کا اسلام" دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983

بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی www.dailyislam.pk ای میل: bkislam4u@gmail.com

قربانی تو ہم نے کرلی

محمد یاسر کمال۔ لاہور

آج سے کچھ عرصہ قبل عیدالاضحیٰ کے مبارک موقعے پر ہم قربانی کے فریضہ سے فارغ ہوئے۔ اجتماعی قربانی کا پروگرام تھا۔ اس موقعے پر بہت سے حضرات موجود تھے جن میں ایک مولانا صاحب بھی تھے۔ انھوں نے اس موقعے پر چند باتیں کیں۔ حضرت کا خطاب بڑا مناسب اور برمحل تھا۔ انھوں نے فرمایا: ''قربانی تو ہم نے کرلی۔ اس سے قبل بھی کرتے رہے ہیں۔ ہر سال قربانی کرتے ہیں، لیکن۔'' یہ کہہ کر انھوں نے کچھ توقف فرمایا اور وہاں موجود حضرات کی طرف متوجہ ہوئے اور بات کچھ یوں آگے بڑھائی: ''کیا قربانی اسی کا نام ہے؟ کیا عظیم سنتِ ابراہیمی کا مطلب صرف یہی ہے کہ ہم لوگوں نے جانور ذبح کر لیے۔ کیا حضور نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی طریقہ تھا جو ہم نے اپنا رکھا ہے؟ اب ہم اپنے اپنے حصے کا گوشت گھر لے جائیں گے اور اپنے چند عزیزوں اور دوستوں کا حصہ الگ کرنے کے بعد سارا ''مال'' فریجوں اور فریزروں میں آیندہ کے لیے محفوظ کرلیں گے؟ ضرورت کے وقت تھوڑا تھوڑا نکال کر پکاتے رہیں گے۔ کبھی قیمے کی شکل میں اور کبھی بھنے گوشت کی شکل میں، کبھی ابو کے لیے گوشت میں تھوڑی سبزی ڈال کر اور کبھی یخنی بنا کر، کبھی اس طرح اور کبھی اُس طرح؟ حضرت کے سوالیہ جملے سن کر حاضرین میں سے کچھ نے تو سر جھکا لیا، کچھ کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور کچھ حضرات ایک دوسرے کی جانب یوں دیکھنے لگے جیسے مولانا کی بات سمجھے ہی نہ ہوں، کیونکہ عموماً لوگوں میں قربانی کا یہی تصور عام ہے۔ مولانا کا ایک جملہ تو میرے دل میں پیوست ہی ہوگیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ہمارا پیارا دین اسلام اس قربانی کے ذریعے ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی راہ میں اپنا سب کچھ، حتیٰ کہ اپنی عزیز ترین متاع بھی قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہیں لیکن! ہمارا حال تو یہ ہے کہ چند کلو گوشت کسی کو دینے پر آمادہ نہیں ہیں تو ہم اپنی عزیز ترین متاع بھلا کیا قربان کریں گے؟''

میں نے مولانا کی باتوں پر غور کیا تو یوں محسوس ہوا جیسے ہم میں سے اکثر لوگوں نے قربانی کا فریضہ تو سرانجام دے دیا ہے، لیکن اس عظیم سنتِ ابراہیمی کا جو مقصد ہے، اُسے یا تو ہم سمجھ ہی نہیں سکے، یا ہم نے دانستہ طور پر اُن تمام تعلیمات کو نظر انداز کردیا ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اُس کے پیارے نبی ﷺ نے ہمیں سکھائی ہیں۔ کچھ لوگوں نے واقعی فریج اور فریزر بھر لیے، کچھ نے یہ انداز اختیار کیا کہ گوشت تقسیم تو کیا مگر صرف اپنے عزیزوں اور دوست احباب کو ہی اس سے نوازا۔ غرباء اور مساکین اُن کے دروازے پر آئے تو انھیں کچھ نہ مل سکا۔ کچھ نے ایسا کیا کہ ''مال کے بدلے مال'' کے اصول کے مطابق اپنے عزیزوں اور دوستوں کو گوشت ارسال بھی کیا اور اس کے بدلے میں وصول بھی کیا۔

ذہن میں سوال اُبھرا کہ کیا ہم نے آج اُن لوگوں کے بارے میں ذرا بھی سوچا جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ لوگ جو غربت کی نچلی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں۔ قربانی کے بارے میں سوچنا تو درکنار، وہ تو بمشکل زندگی کے دن گزار رہے ہیں اور اچھے دنوں کی آس لگائے بیٹھے ہیں؟ کیا ہم نے کسی بیوہ خاتون، کسی طالب علم، کسی ضعیف وناتواں بزرگ، کسی مقروض استاد، کسی مفلوک الحال مزدور، کاریگر، کسی معذور اور بے روزگار شخص، کسی ضعیف امام اور خطیب، کسی عالمِ دین، کسی مؤذن کے گھر گوشت کی فراہمی کے بارے میں سوچنے کی زحمت گوارا کی؟ کیا ہم نے سوچا کہ آج یہ لوگ کیا کریں گے؟ کیا آج بھی یہ لوگ دال روٹی پہ گزارا کریں گے جب کہ ان کے پڑوس میں گوشت کے بھننے کی خوشبو مسلسل ان تک پہنچ رہی ہوگی۔ یہ لوگ اپنے بچوں کو کیا بتائیں گے اور کیسے سمجھائیں گے کہ اُن کے گھر گوشت کیوں موجود نہیں ہے؟

قارئین کرام! میں بھی سوچ رہا ہوں، آپ بھی سوچیے کہ کیا ہمارا یہ انداز درست ہے؟ کیا قربانی ایسے ہی کی جاتی رہے گی جیسے ہم کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ عطا فرمادے۔ آمین ثم آمین!

بڑی عید

بڑی عید آئی بقر عید آئی
یہ ساتھ اپنے رنگینیاں خوب لائی

وہ منڈی میں بکروں کا میلہ لگا ہے
اِدھر بیل لاکھوں میں بکنے لگا ہے

یہ مینڈھے جو سڑکوں پہ اِٹھلا رہے ہیں
خوشی سے وہ شاں اپنی دکھلا رہے ہیں

وہ گائے جو بھاں بھاں کیے جارہی ہے
کیوں بکروں پہ حملہ کیے جارہی ہے

اِدھر اُونٹ بھی سونے میں تُل رہے ہیں
بڑی عید پہ چہرے سب دُھل رہے ہیں

یہ سب جانور عید پر ذبح ہوں گے
خدا کی خدائی پہ قربان ہوں گے

یتیموں کے دکھ درد سب دور ہوں گے
غریبوں کے چہرے بھی مسرور ہوں گے

خدا نے بنائی ہے کیا بقر عید
یہ ہر بشر کے واسطے ہے نوید

ضیاء اللہ محسن۔ ساہیوال

جواھرات سے قیمتی

- جو انسان جتنے گناہ چھوڑتا ہے، اتنا ہی اس کا حافظہ تیز ہوتا ہے۔
- جتنا مخلص والدین کا رشتہ ہے، اتنا دنیا میں کوئی رشتہ نہیں۔
- جو انسان جتنا بولتا ہے، اس کا دماغ اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔
- لگن اور اعتماد انسان کو کامیابی سے ہمکنار کرتے ہیں۔
- حسد ایک زہر ہے جسے پیتے ہم ہیں اور توقع دوسروں کے مرنے کی کرتے ہیں۔
- جس بات میں تمھیں خود شبہ ہو، اس کا دعویٰ ہرگز نہ کرو۔
- مشکل ایک ایسا بہانہ ہے جسے تاریخ کبھی تسلیم نہیں کرتی۔
- انجام کی خرابی آغاز کی برائی سے ہوتی ہے۔ آغاز کو اچھا بناؤ۔
- کوئی گناہ کسی کی رضامندی سے حلال نہیں ہوتا۔
- عقل مند وہ ہے جو دنیا سے دستبردار ہو جائے۔ اس سے پہلے کہ دنیا اس سے دستبردار ہو جائے۔

ارسال کرنے والے:
انسا شاہد قریشی کراچی۔ الطاف اللہ لطف کانگڑہ شبقدر۔ ربیعہ اصغر نندووال

عبداللہ فارانی

80

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے گئے۔ آپ کو ایک جگہ آگ کی روشنی نظر آئی۔ آپ روشنی کی طرف چل پڑے۔ یہاں تک کہ ایک گھر تک پہنچ گئے۔ آپ نے دیکھا، اندر چراغ جل رہا تھا۔ وہاں ایک بوڑھے شخص موجود تھے۔ ان کے سامنے پینے کی کوئی چیز رکھی تھی اور ایک باندی انھیں گانا سنا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس گھر میں داخل ہوگئے۔ بوڑھے کو اس وقت پتا چلا جب آپ اس کے بالکل نزدیک پہنچ گئے۔ آپ نے ان سے کہا:

"آج جیسا برا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ایک بوڑھا اپنی موت کا انتظار کر رہا ہے اور وہ یہ برا کام کر رہا ہے۔"

آپ کی بات سن کر بوڑھے نے کہا:

"آپ کی بات ٹھیک ہے، لیکن اے امیر المومنین، آپ نے جو کیا ہے، وہ اس سے زیادہ برا ہے۔ آپ نے ٹوہ لگائی ہے اور بغیر اجازت میرے گھر میں داخل ہوئے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

پھر آپ دانت سے کپڑا پکڑ کر روتے ہوئے اس گھر سے باہر نکل آئے اور آپ اس وقت یہ کہہ رہے تھے:

"اگر عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے رب نے معاف نہ فرمایا تو اسے اس کی ماں گم کرے۔"

اس کے بعد وہ بوڑھے شخص کافی عرصہ تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں نہ آئے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے کہ وہ بوڑھے صاحب ذرا چھپتے ہوئے آئے اور لوگوں کے پیچھے جا بیٹھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ لیا تو فرمایا:

"ان صاحب کو میرے پاس لاؤ۔"

ایک آدمی نے جا کر ان سے کہا:

"امیر المومنین آپ کو بلا رہے ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ ان کا خیال تھا کہ اب امیر المومنین اسے سزا دیں گے۔ یہ آپ کے کچھ نزدیک پہنچ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"میرے اور قریب آجائیں۔"

یہ آپ کے اور قریب آگئے۔ آپ نے پھر فرمایا:

"اور قریب آجائیں۔"

یہاں تک کہ وہ آپ سے جا لگے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"ذرا اپنا کان میرے قریب لائیں۔"

وہ کان قریب لے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "غور سے سنو! اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر اور اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے اس رات تمھیں جو کرتے دیکھا تھا، وہ میں نے کسی کو نہیں بتایا، حتیٰ کہ اس رات میرے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن میں نے انھیں بھی نہیں بتایا تھا۔"

اب ان صاحب نے آپ سے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! ذرا اپنا کان میرے قریب کریں۔"

پھر ان صاحب نے آپ کے کان سے منہ لگا کر کہا:

"اس ذات کی قسم! جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے بھی وہ کام پھر دوبارہ نہیں کیا۔" اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ زور زور سے اللہ اکبر کہنے لگے اور لوگوں کو پتا نہیں تھا کہ آپ کس وجہ سے اللہ اکبر کہہ رہے ہیں۔

O

ایک آدمی نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

"اے امیر المومنین! میری ایک بیٹی ہے۔ جب وہ پیدا ہوئی تو وہ جاہلیت کے دن تھے۔ میں نے اسے زندہ دفن کرنا چاہا، لیکن پھر مرنے سے پہلے اسے

حج و زیارات کتب پیکیج

دو کتابوں اور تین سی ڈیز کا خوبصورت مجموعہ

رنگین تصاویر کے ساتھ

کل قیمت ~~450~~ روپے

رعائتی قیمت 400 روپے

ڈاک خرچ مفت

ملنے کے پتے:

1- ملتان 0300-7301239
2- راولپنڈی 0321-5123688
3- پشاور 0314-8686344,091-2560331
4- بہاولپور 0333-6367755.0622731947
5- اٹک 0302-5475447
6- لاہور 0321-4538727
7- فیصل آباد 0321-7693142
8- ساہیوال 0321-6950003
9- کوئٹہ 0321-8045066
10- رحیم یار خان 0321-2647131
11- ہری پور 0301-8145654
12- سرگودھا 0321-6016171

دوکان نمبر 11 اسلام کتب مارکیٹ نزد جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی رابطہ نمبر 0314-2139797 (کراچی)

گڑھے سے نکال لیا۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ اسلام کا زمانہ پایا۔ ہمارے ساتھ وہ بھی مسلمان ہوگئی، لیکن پھر اس سے ایسا گناہ سرزد ہوگیا جس پر شرعی سزا لازم آتی تھی۔ اس نے خود کو اس گناہ کی سزا دینے کی کوشش کی، یعنی ایک چھری سے خود کو ذبح کرنے کی کوشش کی، ہم لوگ موقعے پر پہنچ گئے، اسے بچا تو لیا، لیکن اس کے گلے کی کچھ رگیں کٹ گئیں، پھر ہم نے اس کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے توبہ کی اور اس کی دینی حالت اچھی ہوگئی۔ اب ایک قوم کے لوگ اس کی شادی کا پیغام دے رہے ہیں۔ کیا میں ان لوگوں کو ساری بات بتا دوں؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساری بات سن کر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تو اس کا عیب چھپایا ہے اور تم اسے ظاہر کرنا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! اگر تم نے کسی کو اس لڑکی کی کوئی بات بتائی تو میں تمہیں ایسی سزا دوں گا جس سے تمام شہریوں کو عبرت ہوگی۔ تم اس کی شادی اس طرح کرو جس طرح ایک پاک دامن مسلمان عورت کی کی جاتی ہے۔''

O

ایک عورت نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا:

''اے امیر المومنین! مجھے ایک بچہ ملا تھا۔ اس کے ساتھ ایک مصری کپڑا بھی ملا تھا۔ اس میں سو دینار تھے۔ میں نے دونوں کو اٹھا لیا اور گھر لے آئی۔ اس بچے کو دودھ پلانے والی عورت کا اجرت پر انتظام کیا۔ اب میرے پاس چار عورتیں آتی ہیں اور وہ چاروں اسے چومتی ہیں، مجھے نہیں معلوم ان چاروں میں سے کون اس بچے کی ماں ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

''اب جب وہ عورتیں آئیں تو مجھے خبر کرنا۔''

وہ عورتیں آئیں تو اس نے آپ کو اطلاع کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے گھر گئے۔ آپ نے ان میں سے ایک عورت سے کہا:

''تم میں سے کون اس بچے کی ماں ہے۔''

اس عورت نے کہا:

''اللہ کی قسم! آپ نے معلوم کرنے کا اچھا انداز اختیار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کے عیب پر پردہ ڈالا ہے، آپ اس کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم نے ٹھیک کہا۔''

پھر آپ نے پہلی عورت سے کہا:

''آیندہ یہ عورتیں تمہارے پاس آئیں تو ان سے کچھ نہ پوچھنا۔ اس بچے سے اچھا سلوک کرتی رہنا۔''

یہ فرمایا اور آپ واپس آ گئے۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر میں تھے۔ ان کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ ایسے میں کسی کی ہوا خارج ہوگئی۔ اس کی بدبو آپ نے محسوس کی تو فرمایا:

''میں تاکید کرتا ہوں، جس آدمی کی ہوا خارج ہوئی ہے، وہ کھڑا ہو جائے اور جا کر وضو کرے۔''

یہ سن کر حضرت جریر بن عبداللہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! ہم تمام لوگ وضو کیوں نہ کریں۔''

یعنی اس سے یہ مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور جس کی ہوا خارج ہے، اس کے عیب پر پردہ بھی پڑا رہے گا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) بھی بہت اچھے سردار تھے اور اسلام کے بعد بھی بہت اچھے سردار ہیں۔''

یعنی آپ نے پردہ پوشی کی کیسی اچھی ترکیب بتائی۔ (جاری ہے)

ایک نماز بھی

ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب (مہتمم جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن) فرماتے ہیں کہ میں نعمت کے شکر کے طور بتا رہا ہوں کہ جب سے میرے استاد حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فوت ہوئے، اس وقت سے اب تک ایک نماز بھی ایسی نہیں گزری جس میں میں نے اُن کے لیے ایصالِ ثواب (ایک مرتبہ فاتحہ اور تین بار قل ھو اللہ) نہ کیا ہو۔ ڈاکٹر صاحب کے اس عمل نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں نے بھی اپنے دادا جان اور نانی جان نانا جان وغیرہ کے لیے ہر نماز کے بعد ایصالِ ثواب شروع کر دیا اور اسی طرح میں اپنے ایک اچھے دوست کے لیے اور والدین اور رشتے داروں کے لیے ہر نماز کے بعد دعا کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اب آپ کے لیے بھی دعا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ خط میں یہ بات بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ''بچوں کا اسلام'' کے لاکھوں قارئین میں سے کسی ایک نے بھی آپ کے لیے دعا شروع کر دی تو آپ کو کتنا فائدہ ہوگا اور انسان تو نیکی کے معاملے میں بہت حریص ہے۔ اولاد کی اچھی تربیت کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ ہمارے فوت ہونے کے بعد ہمارے لیے دعا کرے اور قرآن پاک کے ذریعے یا اور دوسرے نیک عمل مثلاً (حج و عمرہ، قربانی و طواف) سے ہمیں ثواب پہنچاتی رہے تو امید ہے، آپ بھی یہ خواہش رکھتے ہوں گے۔ میں نے ایک خاموش آواز اٹھائی ہے اور عاجزانہ کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم میں، عمل میں، قلم میں اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ (ایک قاری)

تصویر کی دھمکی

5

اشتیاق احمد

دونوں سکتے کی حالت میں آگئے ... آنکھیں پھیل گئیں ... الفاظ ختم ہونے کے بعد تصویر ان کی نظروں سے غائب ہوگئی ... انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر تجوری میں موجود چیزوں پر نظر ڈالی ... اس میں نوٹوں کی گڈیاں، زیورات اور دوسری چیزیں موجود تھیں، البتہ تصویروں کا لفافہ کہیں نظر نہیں آیا تھا ... شاید وہ کسی خانے میں تھا یا سرے سے تھا ہی نہیں ... تصویر کے الفاظ سننے کے بعد اب ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ تجوری کی چیزوں کو ہاتھ لگا سکتے ... وہ بھی اس صورت میں کہ شابو کی کہانی جھوٹی ثابت ہوچکی تھی ... اس نے تو انھیں قاتل بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی ... وہ اس بری طرح پھنستے کہ شاید انسپکٹر کامران مرزا بھی انھیں نہ بچا سکتے ...

"میرا خیال ہے آصف، بھاگ لینا چاہیے۔"

"ہاں، ہم تجوری کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے ... ضرور اس کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہے۔" آصف نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو پھر آؤ، لیکن نہیں، پہلے تجوری کو بند کر دینا چاہیے۔"

"رہنے دو، یہ تکلیف نہ کرو، میں خود ہی بند کر لوں گا۔" ایک گرج دار آواز نے ان کے ہوش اڑا دیے۔ پلٹ کر دیکھا تو سردار ہارون ہاتھ میں پستول لیے مسہری پر بیٹھے انھیں گھور رہے تھے۔ دونوں ساکت رہ گئے۔

"آپ جاگ گئے، کمال ہے۔" آفتاب کے منہ سے نکلا۔

"میرے جاگنے کا تعلق تجوری کھلنے سے ہے، جوں ہی تجوری کھلتی ہے اور تصویر کے منہ سے آواز نکلتی ہے۔ میں جاگ جاتا ہوں، کیونکہ آواز کا ایک کنکشن میری مسہری میں بھی ہے۔ اب تم بتاؤ تم کیا ارادہ لے کر آئے تھے؟"

"جی ارادہ تو نیک ہی لے کر آئے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، یہاں پہنچنے کے بعد ہمارے نیک ارادے میں کسی نے بھنگ ڈال دی ہے۔" آفتاب نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"کیا کہتے ہو رنگ میں بھنگ ڈالنا محاورہ ہے۔" آصف نے بھنا کر کہا۔

"میرا خیال ہے، اس طرح کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔"

"شاید تم دونوں کا دماغ خراب ہے ... خیر، پولیس خود ہی دماغ درست کر لے گی ... تم دونوں حرکت نہ کرنا ... میں پولیس کو فون کرنے چلا ہوں۔" سردار ہارون نے سرد آواز میں کہا۔

"لیکن جناب، آپ ایک ہاتھ سے فون کیسے کریں گے، لائیے، پستول میں پکڑ لیتا ہوں، آپ اطمینان سے فون کیجیے، اس کے بعد پستول مجھ سے واپس لے لیجیے گا۔" آفتاب نے نئی ترکیب بتائی۔

"بکومت، سیدھے کھڑے رہو۔"

"جی بہتر ... الٹے تو خیر ہم کھڑے بھی نہیں رہ سکتے۔"

سردار ہارون نے انھیں کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور پھر ریسیور اٹھا کر میز پر رکھتے ہوئے بائیں ہاتھ سے نمبر گھمانے لگے۔ آفتاب اور آصف نے سوچا، اگر وہ یہاں پھنس گئے تو الجھن بڑھ جائے گی۔ پولیس سے جان چھڑانا مشکل ہو جائے گی، لہٰذا کسی نہ کسی طرح نکل چلو۔ اس خیال کے آتے ہی آصف نے سوچے سمجھے بغیر کھڑکی کی طرف چھلانگ لگا دی۔ سردار ہارون نمبر ڈائل کرنے میں مصروف تھے۔ اس لیے انھیں اس وقت پتا چلا جب آصف کھڑکی پھلانگ چکا تھا۔

"خبردار، گولی مار دوں گا۔"

"مشکل ہے جناب، اب آپ اسے گولی نہیں مار سکیں گے۔" آفتاب نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"کیوں، کیا مشکل ہے؟" یہ کہہ کر سردار ہارون طیش میں آکر اُٹھے اور کھڑکی تک پہنچ گئے۔ ساتھ ہی انھوں نے اندھا دھند ایک فائر باہر جھونک مارا۔ جب تھوڑی دیر بعد واپس مڑے تو دوسرے لڑکے کو بھی غائب پایا اور ان کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ آفتاب انھیں جل دینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وہ بے تحاشا باہر کی طرف دوڑے اور ساتھ ہی چیخ چیخ کر اپنے ملازموں کو بھی بلانے لگے۔ ان کی بیگم بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ شور سن کر ملازم بھی جاگ گئے اور جب وہ سب مل کر پھاٹک پہنچے تو انھوں نے دیکھا، پھاٹک کھلا پڑا تھا اور دونوں لڑکے غائب تھے۔

"وہ بچ کر نہیں جا سکتے ... وہ ابھی کل کے بچے ہیں ... میں ابھی ڈی۔ ایس پی انوار صدیقی کو بلاتا ہوں۔" سردار ہارون نے پیر پٹختے ہوئے کہا اور واپس اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔

ادھر آفتاب اور آصف پھاٹک سے نکلنے کے بعد بے تحاشا دوڑ پڑے .. انھوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور بھاگتے چلے گئے:

"یار آج تو بہت برے پھنسے تھے۔" آفتاب نے دوڑتے دوڑتے کہا۔

"ہاں، خدا کا شکر ادا کرو .. اس نے بال بال بچایا۔"

"یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" آفتاب بولا۔

"ویسے معاملہ کچھ پلے نہیں پڑا .. یہ تو ظاہر ہے کہ شابو سردار ہارون اور ان کی بیگم کو جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے، اس نے اس کام کے لیے ایک فرضی کہانی گھڑی .. یہ ظاہر کیا کہ سردار ہارون دراصل ایک بلیک میلر ہے اور اس کے پاس اس کے ایک ایسے جرم کی تصویریں ہیں، جو اس نے کیا ہی نہیں، بظاہر وہ تصویریں حاصل کرنا چاہتا تھا، لیکن اس کام کے لیے جو اس نے کلوروفارم دیا، وہ کلوروفارم نہیں زہر تھا۔ ایک ایسا زہر جو سانس کے ذریعے انسان کے جسم میں پہنچ کر اُسے ختم کر دیتا ہے .. خدا بھلا کرے اس بلی کا

ہماری تاریخ

فارس کے بادشاہ یزدجرد یعنی کسریٰ کو جب معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر فتوحات کرتا اس کی طرف بڑھ رہا ہے تو اپنے دارالحکومت مدائن سے بھاگ نکلا۔ اسلامی لشکر جب ایوانِ صدارت یعنی کسریٰ کے محل میں داخل ہوا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ بس ایک پہلوان موجود تھا۔ وہ اکڑتا ہوا آگے آیا تو اسلامی لشکر کے ایک عام غازی نے اسے ایک ہی وار میں زمین دکھا دی اور مڑ کر اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ پھر جب اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ محل میں داخل ہوئے تو آپ نے گھوڑے سے اتر کر دو رکعت نماز ادا کی۔ کسریٰ کے محل کو آپ نے جامع مسجد بنا دیا۔ اس کا نام جامع المدائن رکھا۔

یہ مسجد آج بھی جامع المدائن کے نام سے موجود ہے۔ یہاں قیام کے دوران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جمعے کی نماز پڑھائی۔ یہ تاریخ کا پہلا جمعہ تھا۔ اس کے بعد آپ قصرِ ابیض یعنی سفید محل میں داخل ہوئے (جیسے آج کل امریکہ کا وائٹ ہاؤس ہے) اس طرح کسریٰ اور اس کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ وائٹ ہاؤس پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔

اقصیٰ انجم۔ لاہور

مُختصر پُراَثر

☆ نضر بن محمد رحمہ اللہ ایک مرتبہ حج کے ارادے سے نکلے۔ ان کے ساتھ ان کی لونڈی بھی تھی۔ یہ جب کوفہ پہنچے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام صاحب ان سے بہت شفقت سے پیش آئے۔ ان کا بے حد اکرام فرمایا۔ آنے پر بہت خوشی ظاہر فرمائی۔

چند روز قیام کے بعد جب حج کے لیے روانہ ہونے لگے تو انھوں نے لونڈی کو امام صاحب کی خدمت کے لیے وہیں چھوڑ دیا۔ انھوں نے لونڈی کو ہدایت فرمائی۔

''میری واپسی تک تم امام صاحب کے ہاں قیام کرنا!''

جب یہ حج سے فارغ ہو کر واپس کوفہ پہنچے تو امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چند دن بعد انھوں نے سوچا کہ اب امام صاحب کو زیادہ زحمت نہیں دینی چاہیے، لہٰذا وہاں سے کناسہ جانے کا فیصلہ کر لیا اور امام صاحب سے عرض کیا:

''آپ اپنی خادمہ کو حکم کر دیں کہ وہ میری لونڈی کو کناسہ میں فلاں صاحب کے ہاں پہنچا دے۔''

امام صاحب نے یہ سن کر فرمایا:

''ہمارا گھر آپ کا گھر ہے، یہیں قیام رکھیے۔''

حضرت نضر بن محمد رحمہ اللہ نے جانے ہی کا ارادہ ظاہر کیا تو اجازت دے دی اور لونڈی کو کناسہ بھجوا دیا۔ وہاں پہنچ کر ان کی لونڈی نے کہا:

''کیا آپ امام صاحب کے شاگردوں میں سے نہیں ہیں؟''

حضرت نضر بن محمد نے جواب دیا:

''میں بالکل آپ کے شاگردوں میں سے ہوں۔''

اب لونڈی نے کہا:

''لیکن آپ کا طریقہ کار امام صاحب کے طریقے کے ہرگز مطابق نہیں، بلکہ آپ دونوں کے طریقے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

یہ سن کر حضرت نضر نے کہا:

''ان کی علمی مہارت اور روحانی بصیرت کو بھلا کون پہنچ سکتا ہے۔''

لونڈی نے یہ سن کر کہا:

''نہیں نہیں، میں ان کے علم اور فقہ کی بات نہیں کر رہی ہوں... میں تو ان کے عام معاملات اور بود و باش کی بات کر رہی ہوں... دیکھیے... آپ چار ماہ تک حج کے سلسلے میں کوفہ سے غیر حاضر رہے... اس عرصے تک میں امام صاحب کے ہاں رہی مگر حیرت ہے، اس طویل عرصے میں نہ تو امام صاحب کے لیے ناشتا تیار کیے جانے کا اہتمام ہوتا تھا، نہ عشا کے کھانے کا اور ان کے آرام کرنے اور بستر بچھانے پر توجہ دی جاتی تھی... جب رات ہوتی تو امام صاحب اللہ کے حضور ایک سیدھی لکڑی کی طرح کھڑے ہو جاتے... اور اسی حالت میں صبح ہو جاتی ہے، ہمارے لیے اچھے کھانے کا اہتمام کرتے مگر خود کبھی چھانے ہوئے آٹے کی روٹی کا اہتمام نہ کیا۔''

حضرت نضر نے اپنی لونڈی کی زبانی حضرت امام صاحب کے یہ معمولات سنے تو حیرت زدہ رہ گئے۔ خوشیاں غم میں بدل گئیں۔ وجد کے ایسے عالم میں ڈوب گئے کہ کسی چیز کا خیال نہ رہا۔ (حیرت انگیز واقعات)

☆ ایک مرتبہ کوفے کے گورنر نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر پابندی لگا دی کہ وہ کسی کو کوئی فتویٰ نہیں دے سکتے۔ ایسے میں ایک روز آپ کی صاحب زادی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا:

''ابا جان! میرا روزہ تھا۔ دانتوں سے خون نکل آیا اور تھوک کے ساتھ حلق سے اتر گیا۔ اب روزہ رہا یا جاتا رہا۔''

اب امام صاحب چاہتے تو صاحب زادی کو فتویٰ بتا سکتے تھے کہ گھر میں تھے۔ آپ کے فتویٰ دینے کا گورنر کو پتا نہیں چل سکتا تھا، لیکن آپ نے بیٹی سے فرمایا:

''جانِ پدر! یہ مسئلہ اپنے بھائی سے پوچھ لو۔ مجھے فتویٰ دینے سے روک دیا گیا ہے۔''

چند روز بعد خود گورنر کو چند فقہی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے امام صاحب سے رابطہ کیا۔ اس طرح امام صاحب کو پھر سے فتویٰ دینے کی اجازت مل گئی۔

اور کروٹ کروٹ اسے جنت نصیب کرے، اس نے ہمیں قاتل بننے سے بچا لیا... یار، ہمیں چاہیے تھا، اس بلی کو ساتھ لے آتے... ہم اس کا باقاعدہ مقبرہ بنواتے، دیکھو نا اب پولیس اس بلی کا پوسٹ مارٹم کر کے یہ معلوم کرے گی کہ وہ کس زہر سے مری ہے؟'' آصف کہتا چلا گیا۔

''معلوم کرتی ہے تو کرے۔ اس سے ہماری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ وہ زہر شابو نے کسی جگہ سے حاصل کیا تھا۔ شابو اور گھوش کے پیچھے انوار صدیقی پہلے ہی پڑا ہوا ہے، لہٰذا وہی مصیبت میں پھنسیں گے۔'' آفتاب نے لاپروائی سے کہا۔

''اور انوار صدیقی ہم سے جو ملاقات کر چکا ہے۔''

''تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔''

''احمق ہو تم، سردار ہارون بھی ہمیں دیکھ چکا ہے۔''

''اوہ ہاں، خیر کوئی بات نہیں... ہم یہ میک اپ اتار دیں گے۔'' آفتاب نے اس سے اتفاق کیا۔

''اس کے باوجود انوار صدیقی ہم تک ضرور پہنچے گا... دوسرے یہ کہ انکل نے کسی خاص وجہ سے ہمیں اس میک اپ میں یہاں بھیجا ہے... ان کی اجازت کے بغیر ہمیں میک اپ نہیں اتارنا چاہیے۔''

''خیر دیکھا جائے گا۔''

''سردار ہارون کی کوٹھی سے کافی دور آ کر انھوں نے دوڑنا بند کر دیا کہ کہیں کوئی پولیس والا چور سمجھ کر پیچھے نہ لگ جائے... اچانک انھوں نے ایک کار مخالف سمت سے آتی دیکھی... رفتار بہت تیز تھی... دونوں جلدی سے سڑک سے نیچے اُتر کر ایک درخت کی اوٹ میں ہو گئے... جلد ہی کار ان کے پاس سے گزر گئی... انھوں نے دیکھا... دراصل وہ کار نہیں، جیپ تھی اور اسے انوار صدیقی چلا رہا تھا...

''اسے ضرور سردار ہارون نے فون کیا ہے... میرا خیال ہے آصف، ہمیں رفتار بڑھا دینی چاہیے، ایسا نہ ہو، وہ ہمیں راستے میں ہی آ لے۔''

''ہاں، خدا کا شکر ہے کہ ہم سڑک سے اُتر کر درخت کی اوٹ میں ہو گئے، ورنہ ادھر سے جاتے ہوئے اس کی نظر ہم پر ضرور پڑتی اور جب وہ سردار ہارون کی زبانی ہمارا حلیہ سنتا تو ہمیں فوراً گرفتار کرنے دوڑ پڑتا...

دونوں تیز تیز قدم اٹھانے لگے... آخر ہوٹل کے عقبی دروازے تک پہنچ گئے... سیڑھیاں چڑھ کر جب وہ اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچے تو یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ دروازہ چوپٹ کھلا تھا اور اندر سے کسی کے ہلکے سروں میں سیٹی بجانے کی آواز آ رہی تھی... ان کے قدموں کی آواز کے ساتھ ہی سیٹی رک گئی، پھر ایک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

''آ جاؤ بھئی، رک کیوں گئے۔'' (جاری ہے)

آج نہیں تو کل

[illegible] خان - ملتان

''اگر تم گھر جانا چاہتے ہو تو تمھیں سب کے سامنے یہ اعتراف کرنا ہوگا اور بیان دینا ہوگا کہ تم نے ہماری پانچ کاروں کو نذرِ آتش کرنے میں فلسطینی تنظیم کی مدد کی ہے۔''

''مگر! مم مگر! میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔'' اسرائیلی فوجی کی بات سن کر وہ خوف زدہ لہجے میں بولا تو وہ موٹا یہودی پھر غرایا۔

''جو کہا ہے وہ کرو، ورنہ یہیں گل سڑ جاؤ گے، کوئی قید سے رہا نہیں کرا سکے گا۔''

''لیکن! میرے بابا کہتے ہیں، جھوٹ نہیں بولتے۔'' اس نے معصومیت سے کہا تو یہودی مزید طیش میں آ گیا۔ اُسے ایک بار پھر تفتیشی کمرے سے بھیڑ بکریوں کی طرح کھینچتے ہوئے کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور پھر چار اسرائیلی فوجی ہاتھوں میں مختلف ''اوزار'' لیے اندر داخل ہو گئے۔

اس معصوم فلسطینی بچے کو معلوم نہیں تھا کہ اگلے لمحے اس کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔

○

یہ چند روز پہلے کی بات ہے جب حارث لاؤنج میں بیٹھا سکول کا کام کر رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے والد اور دادا کافی پریشان ہیں۔ پریشان تو وہ کل سے اپنی والدہ کو بھی دیکھ رہا تھا جن کی دعائیں لمبی ہو گئی تھیں اور آنکھیں نم رہنے لگی تھیں۔ اب بھی اس کا دھیان ان دونوں کی گفتگو کی طرف ہو گیا۔

''یہ وہی ظالم ہے جس نے 1982ء میں صابرہ اور شتیلہ کے سانحے میں اپنی نگرانی میں تین ہزار سے زاید مسلمانوں کو شہید کرایا تھا۔ نہیں! ہم اُس کے ناپاک قدم مسجدِ اقصیٰ میں نہیں پڑنے دیں گے اور نہ ہی انبیاء کی نشانی کو کسی سانحے سے دوچار ہونے دیں گے۔'' اس نے اپنے دادا کو کہتے سنا تھا جن کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''بابا! میرا خیال ہے، ہمیں اُس قافلے میں شامل ہو جانا چاہیے جو نمازِ فجر سے پہلے ہی مسجد کا رخ کر رہا ہے۔ نہیں معلوم، اس بدبخت کے آنے کے بعد کیا حالات ہوں گے۔ ہم پہلے پہنچ کر کسی طرح اس کا راستہ روک تو سکتے ہیں۔'' اس کے والد کی بات سن کر اس کے دادا تائید میں سر ہلانے لگے تھے۔

قبلۂ اول اور شہرِ مقدس کے باشندوں پر ایک بار پھر آزمائش آ پڑی تھی۔ اسرائیل کی اسمبلی کے رہنما نے اعلان کیا تھا:

''وہ اپنے یہودی ساتھیوں کے ہمراہ ہیکلِ سلیمانی کے سامنے عبادت کرے گا۔'' یہ خبر سن کر تمام فلسطینی ہی پریشان تھے اور ہر کوئی اپنی سی کوشش کرنے میں مصروف تھا کہ کسی طرح اسے مسجد میں داخل ہونے دیا جائے۔

حارث کے لیے یہ سب باتیں نئی نہیں تھیں۔ وہ فلسطینی تھا اور پنجۂ یہود میں جکڑی مسجدِ اقصیٰ کو یہودیوں کے قبضے سے آزاد کرنے کا جذبہ اس کے لہو میں بھی مچلتا تھا۔ اپنے دادا اور والد کی گفتگو سن کر وہ بھی معاملہ سمجھ چکا تھا۔

اور پھر اس شام وہ اپنے دادا کے پاس بیٹھا اُن سے کہہ رہا تھا۔

''دادا ابو! میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ میں اس کافر کا راستہ روکنے میں آپ سب کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔''

''ہاں! میرا بیٹا بھی مسجد کی حفاظت کرے گا اور بیٹا! یہ تو ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ جب تک زندہ ہے، مسجد کی حفاظت کرتا ہے، جہاد کرتا ہے مگر بیٹا! آپ کی امی گھر میں اکیلی ہوں گی ناں۔ آپ اپنی امی کا خیال رکھنا۔ میرا بیٹا تھوڑا بڑا ہو جائے تو ضرور ہر طرح کی حفاظت میں حصہ لے گا۔'' دادا ابو اُسے پیار سے سمجھانے لگے۔

''مگر دادا ابو! میں اب بھی حصہ لے سکتا ہوں۔'' اس نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''اچھا! بھلا وہ کیسے؟'' انھوں نے پوچھا۔

''وہ ایسے دادا ابو کہ میں اس کافر پر پتھر برسا کر اسے مسجد کے اندر قدم رکھنے سے پہلے ہی بھگا دوں گا۔'' اس نے جوش کے عالم میں کہا تو دادا ابو کی آنکھیں نم ہو گئیں اور انھوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

○

اس کے دادا اور والد نے اسے کسی طرح بہلا لیا تھا، آنے والے وقت کا کسی کو علم نہیں تھا۔ 28 ستمبر کا دن تھا جب مسلمانوں پر ایک بار پھر قیامت بیت گئی تھی اور پھر ایک نہیں، دو نہیں، پورے آٹھ دن فلسطینی مسلمانوں کو اپنی کارروائی کے بدلے اسرائیلیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑا اور ابھی تو نجانے مزید کتنا عرصہ اس ظلم کی چکی میں پستا تھا۔ حارث کے دادا اور والد اب تک واپس نہیں لوٹے تھے اور ایک خاموش دوپہر، اسرائیلی فوجی حارث کو اغواء کر کے لے گئے۔ اس وقت گھر میں صرف اس کی والدہ تھیں جنھیں بے ہوش کر کے وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔

حارث کو تین دن کال کوٹھری میں بند رکھا گیا جہاں وہ تنہا سردی میں ٹھٹھرتا رہا۔ پھر تیسرے روز اُسے تفتیشی کمرے میں لے جا کر جھوٹا بیان دینے کو کہا گیا۔ معصوم بچوں اور کمزور نوجوانوں سے ایسے جھوٹے بیان دلوانے کے ان کے پاس ایک سو ایک طریقے تھے: حارث پر وہی طریقے آزمانے کے لیے اسے ایک بار پھر کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

○

''آں... امی... بچاؤ.. چھوڑ دو مجھے! میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے گھر جانے دو۔'' وہ روتے ہوئے چلا رہا تھا مگر یہودیوں کے کالے دل رحم کے جذبے سے خالی تھے۔ وہ چاروں اسرائیلی فوجی اس معصوم بچے پر بجلی کے تار برسا رہے تھے۔ اس کی چیخوں کی پروا کیے بغیر اس کی ٹانگوں، کمر اور بازوؤں کو بری طرح پیٹ رہے تھے۔

''بولو! عدالت میں یہ بیان دو گے یا نہیں؟''

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ لوگ ایسا کیوں چاہ رہے ہیں۔

''مگر.. میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تو میں کیسے... آں...'' اس کا جملہ مکمل

سیاہ راتوں کی روشن صبح

حافظ عبدالجبار سیال۔ لاہور

یہ موسم بہار کی ایک صبح تھی۔ سویرے سویرے میں نہر کنارے چلا جا رہا تھا۔ ایک بوڑھی اماں وہاں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ پہلے پہل تو میں نے کوئی توجہ نہ دی۔ دور جا کر میرے چلتے پاؤں رک گئے۔ میں نے سوچا: اماں کی خبر لینی چاہیے۔ شاید یہ دکھیاری میری مدد کی مستحق ہو۔ میں قریب آیا۔ وہ تو جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آنسوؤں کی لڑیاں تھیں جو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے گر رہی تھیں۔

''اماں! کیوں رو رہی ہو صبح صبح؟'' میں نے پوچھا۔

''بس پُتر! قسمت کی ماری ہوں۔ مجھے تو برسوں ہو گئے روتے ہوئے۔ مر جاؤں گی تو سکون آئے گا۔''

''لیکن کیوں؟ کیا ہوا آپ کی قسمت کو؟''

اماں نے میرے سوال پر ایک تصویر نکالی اور میرے سامنے رکھ دی۔ تصویر ایک بچے کی تھی جس کی عمر تقریباً 10 سال سے 12 سال ہوگی۔ دھندلی سی پرانی تصویر، خوب صورت مسکراتا بچہ۔

اچھا! میں اپنی سوچ کے مطابق یہ سمجھا کہ شاید اماں کا یہ بیٹا کہیں جوانی میں فوت ہو گیا ہے اور یہ اس کے غم میں آنسو بہا رہی ہے۔ میں اسے تسلی دینے لگا:

''پریشان مت ہو اماں! ہمیں رب کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔ آپ کا بیٹا آپ کے پاس رب تعالیٰ کی امانت تھا۔ اس نے اپنی امانت واپس لے لی۔ اس فانی دنیا سے جانا تو ہر ایک کو ہے۔''

میرا دلاسہ ابھی جاری تھا کہ اماں درمیان میں بول پڑیں:

''پُتر! تو میرا مسئلہ ہی نہیں سمجھا۔ میرا بیٹا فوت ہو جاتا تو میں کبھی آنسو نہ بہاتی۔ امانت والا اپنی امانت واپس لے لے تو شکوہ کیسا؟''

''تب کیا ہوا اسے؟'' قریب رکھے پتھر پر بیٹھتے ہوئے میں نے پوچھا۔

''بچے! میرا بیٹا تو ظالموں کے ہتھے چڑھ گیا۔ دس سال کا تھا جب ظالم لوگ اسے پکڑ کر لے گئے۔ پھر اس کے بعد اس کا کوئی پتا نہ چل سکا۔ وہ کدھر ہے، زندہ ہے یا مر گیا۔ اب اسے گئے دس سال بیت گئے ہیں۔ سوچتی ہوں، کھاتا پیتا کہاں سے ہوگا۔ اسے اپنی ماں تو یاد آتی ہوگی۔ باپ کی شفقت کو بھی ترستا ہوگا۔ بہن کا ہاتھ پکڑ کر سکول جاتا تھا۔ وہ بہن بھی اب اسے کہیں دکھائی نہیں دیتی ہوگی۔ اسے اپنے گھر کی یاد ستاتی ہوگی۔ کتنی عیدیں آ کر گزر گئیں مگر وہ اپنوں کے گلے نہ مل سکا۔ اچھے کپڑوں اور اچھے جوتوں کے لیے اس کے معصوم دل میں کتنے ارمان ہوں گے۔ وہ میرا لخت جگر ہے۔ کیسے بھلا پاؤں۔ اس اُمید پر در کھول کے رکھتی ہوں کہ شاید وہ آ جائے۔ ہاں! وہ ایک نہ ایک دن آئے گا ضرور ان شاء اللہ!''

ایک بار پھر اماں اپنے ضبط کے تمام بندھن توڑ بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں ساون بھادوں برسانے لگیں۔ میں نوٹے پھوٹے الفاظ میں اسے تسلی دینے لگا:

''اماں جی! صبر کر۔ آپ کا بیٹا جہاں بھی ہوگا۔ خیر سے ہوگا۔ قسمت کے مارے کو اپنوں کا پیار نہ مل سکا۔ اب تو وہ جوان ہو گیا ہوگا۔ اپنی گزر اوقات اچھی ہی کر رہا ہوگا۔ رب نے چاہا تو وہ ایک دن ضرور لوٹ کر آئے گا۔ ان شاء اللہ!''

اماں کو دلاسہ دیتے دیتے میں خود جذباتی ہو گیا۔ آنکھوں میں اُمڈ آئے آنسو پونچھ کر میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اچانک میرے دماغ کے کسی گوشے میں یہ سوچ اُبھرنے لگی۔ اماں کا بیٹا! بیٹا تھا نا! اگر وہ بیٹی ہوتی تو! میں لرز گیا۔ دل سے بے اختیار آہ نکل گئی۔ میرا درد اماں کے درد سے دوگنا ہو گیا۔ میری سوچ آج سے دس سال پیچھے چلی گئی۔ جب قوم کی بیٹی عافیہ کو ڈالروں کے عوض بیچ دیا گیا۔ اماں کے گم شدہ بیٹے کا تو کوئی علم نہ تھا کہ وہ کدھر ہے، مگر قوم کی بیٹی کا تو سب کو پتا ہے۔ پھر دس سال کیوں بیت گئے۔ کیا یہ بے حسی کی انتہا نہیں ہے۔ اس قوم کی دورنگی پر ماتم کرنا چاہیے جو ملالہ کے لیے ساری ہمدردیاں رکھتی ہو اور ان کے شب و روز کے کسی لمحے میں عافیہ کا خیال تک نہ گزرتا ہو۔ قوم کے معمارو! کبھی تم نے سوچا! اگر بیٹی تمہاری ہوتی تو کیا تم چین کی نیند سوتے۔ 20 کروڑ زندہ انسانوں کے جسم سے جیسے روح نکال دینے کا منظر ہو۔ میں ان الفاظ کا کیا کروں جو عافیہ نے اپنے ہم وطنوں سے کہے تھے:

''میں وطن واپس آنا چاہتی ہوں۔''

''عافیہ بہن! رات ہمیشہ رات نہیں رہتی۔ دن کا اُجالا اس کے سارے مان توڑ دیتا ہے۔ ظلم کی سیاہ رات کی سحر ہونے کو ہے۔ خدا کرے، کوئی غیرت مند آئے اور تمہیں ظالموں کے پنجوں سے آزاد کرائے۔ خدا کرے ایسا ہو۔ اگر ایسا نہ ہوا تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ نا معلوم! آنے والا مورخ ہمیں کن لفظوں سے یاد کرے گا۔ عافیہ بہن! یہ چند صفحات سیاہ کر کے میں نے وقت گزاری نہیں کی، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ڈھائے جانے والے مظالم کا درد سینے میں اتنا جمع ہو گیا ہے کہ اگر اسے قلم سے نہ بکھیریں تو دم گھٹتا ہے۔ مانا کہ چڑیا کی چونچ کے ساتھ لگے پانی سے غرور کی آگ نہیں بجھتی مگر بجھانے والوں میں نام تو آتا ہے نا! ہم اپنی سی کوشش کرتے رہیں گے۔

ہونے سے پہلے اس کی کمر کو داغا جانے لگا تھا۔ اسے لگا اس کی کمر پر انگارے برس رہے تھے۔ فوجی اس کی کمر کو سگریٹ سے داغنے لگے۔ اس کی چیخوں سے عقوبت خانہ لرز اٹھا۔ پھر اس کے بازوؤں پر انگارے برسنے لگے اور پھر وہ چیختے چیختے بے دم ہو کر فرش پر ایک طرف لڑھک گیا۔

○

''کیا تم گھر جانا چاہتے ہو؟'' فوجی افسر نے پوچھا۔

''جی۔'' اس نے خوف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیوں؟'' افسر بولا۔

''کیونکہ۔'' اس نے تھوک نگلا اور ہمت جمع کی۔

''کیونکہ مجھے! ایوبی بن کر مسجد کی حفاظت کرنی ہے۔''

فوجی افسر نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورا، پھر بولا:

''ٹھیک ہے! یہاں اپنا نام لکھ دو اور گھر چلے جاؤ۔'' فوجی افسر کی بات سن کر پہلے تو کتنی ہی دیر وہ حیرت سے گنگ اسے دیکھتا رہا۔ پھر خوشی سے آگے بڑھا اور قلم اٹھا کر اپنا نام ان کاغذات پر لکھنے لگا۔ یہودی مکاری سے مسکرایا اور اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا۔ اس ننھے ایوبی کو نہیں معلوم تھا کہ ان مکار یہودیوں کی چال اس کے آشیانے پر کیا قیامت ڈھانے والی ہے۔

ہاں اس کی آنکھوں میں چمک ضرور تھی۔ اس یقین کی چمک کہ (ان شاء اللہ) وہ ان ظالموں کو یہاں سے بھگا کر دم لیں گے۔ آج نہیں تو کل!

سرور مجذوب کون؟

اگرچہ پاکستانی عوام اس وقت بجلی، گیس اور مہنگائی کا رونا رو رہے ہیں، لیکن "بچوں کا اسلام" کے قارئین وقاریات "سرور مجذوب" کے گمبھیر مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں۔ کوئی انھیں اشتیاق احمد بنانے پر تلا ہے تو کوئی مجذوب سمجھنے پر ہی اکتفا کیے ہوئے ہیں۔ قارئین کی اس بے قراری کو دور کرنے کے لیے ادارے نے "مجذوب صاحب" کا انٹرویو بھی شائع کردیا، لیکن قارئین کی بے قراری ہے کہ دور ہونے کا نام نہیں لے رہی۔ ہم بھی اسی کشمکش میں بہت عرصہ جتلا رہے، لیکن انٹرویو پڑھ کر ہماری یہ بے قراری رفو چکر ہوگئی اور ہم نے عزم کرلیا کہ آپ سب کو بھی اس الجھن سے باہر نکالیں۔

تو جناب ہماری عقل نے ہمیں جس نکتے پر پہنچایا، اس کا حال درج ذیل ہے:

قارئین وقاریات! جب سرور مجذوب کہتے ہیں کہ وہ "سرور مجذوب" ہی ہیں تو آپ بھی برائے مہربانی انھیں زبردستی اشتیاق احمد نہ بنائیں، بھئی "اشتیاق احمد" اشتیاق احمد ہی ہیں اور "سرور مجذوب" سرور مجذوب ہی ہیں۔

آپ خود انصاف کریں کہ مجذوب صاحب کی عمر 70 کے لگ بھگ ہے۔ اسی طرح اشتیاق صاحب بھی 70 کے لگ بھگ ہیں۔ بھلا اس عمر میں ہمارا "ان کا مذاق بنتا ہے؟" دیکھیں کہاں اشتیاق احمد کے جاسوسی ناول اور کہاں مجذوب صاحب کی سادہ سادہ تحریریں۔

اشتیاق احمد کے کئی کئی سو صفحات کے ناول ہوتے ہیں جب کہ مجذوب صاحب بمشکل دو تین صفحے کی کہانی پوری کر پاتے ہیں۔

تو قارئین وقاریات! اشتیاق احمد اور مجذوب صاحب میں فرق اچھی طرح سمجھ میں آگیا نا... تو آگے چلتے ہیں کہ مجذوب صاحب آخر ہیں کون؟ تو جناب! سرور مجذوب تو ان کا قلمی نام ہے نا... اصل میں یہ "عبداللہ فارانی" ہیں۔

ہاں جی! میری عقل یہی کہتی ہے کیونکہ!

نادیہ حسن ۔ اسلام آباد

مجذوب صاحب نے کہا میرا نام "عبداللہ" ہے۔ تو عبداللہ یہ "عبداللہ فارانی" والا ہی ہوگا نا۔

فارانی صاحب کی عمر 70 کے لگ بھگ ہے۔ اسی طرح مجذوب صاحب بھی 70 کے لگ بھگ ہیں۔

فارانی صاحب نے بتایا تھا کہ وہ صرف "بچوں کا اسلام" میں لکھتے ہیں اور یہی حال مجذوب صاحب کا ہے۔

فارانی صاحب کے انٹرویو میں کہا گیا کہ ان کے سامنے تو "اشتیاق احمد" بھی پانی بھرتے نظر آئیں اور مجذوب صاحب نے انٹرویو میں کہا کہ اشتیاق احمد بس ٹھیک ہی لکھتے ہیں، یعنی دونوں حضرات کو ہی اشتیاق احمد کی تحریروں میں خاص دلچسپی ہے۔ ہاں لیکن مجذوب صاحب اپنے آپ کو کبھی کبھی اشتیاق احمد محسوس کروا دیتے ہیں، تاکہ ان کی اصل یعنی عبداللہ فارانی تک کوئی پہنچے ہی نہیں۔

مثلاً اپنے انٹرویو میں ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ سرور مجذوب میرا قلمی نام ہے۔ اشتیاق احمد نے رکھا ہے اور دو ہی سوالوں کے بعد کہا کہ "سرور مجذوب قلمی نام ہے اور قلمی نام آدمی خود ہی رکھتا ہے؟

اب بتائیں! یا تو پہلے سوال کا جواب غلط ہے یا دوسرے کا غلط ہے۔ دونوں تو ٹھیک ہونے سے رہے، کیونکہ اگر دونوں ٹھیک ہیں تو مجذوب صاحب کو اشتیاق احمد ماننا پڑے گا جو کہ ہم قطعاً نہیں مانیں گے، کیونکہ ہم دلائل سے پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ اشتیاق احمد نہیں ہیں۔

اگر عبداللہ فارانی یا سرور مجذوب صاحب اسے الزام سمجھتے ہیں تو تردید فرمائیں اور دلائل کا جواب مرحمت فرمائیں۔

آخر میں قارئین سے ایک اور راز کی بات بھی کرتی جاؤں کہ اب سرور مجذوب کا پیچھا چھوڑ دیں، ہماری تحقیقاتی کمیٹی نے تو اب اپنا رخ ارشاد الٰہی، ذبیح اللہ عارفی اور غلام حسین میمن کی طرف موڑ لیا ہے۔

ختم نبوت زندہ باد

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی کسی جلسہ، درس، یا علمی گفتگو میں مرزا قادیانی کا نام آتا۔ تو آپ رحمہ اللہ کے چہرے پر زبردست جلال آجاتا، آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ ماتھے پر شکن پڑ جاتے اور طبیعت میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جاتی۔ آپ جب مرزا قادیانی کا نام لیتے، تو نام لینے سے پہلے لعین، ملعون، دجال، کذاب، گستاخ، شاتمِ رسول مردود۔ بدفطرت کافر مرتد وغیرہ کے الفاظ استعمال فرماتے۔ ایک دن ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت آپ تو حلیم الطبع اور ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہیں۔ آپ مرزا قادیانی کے لیے ایسے الفاظ کیوں استعمال کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "میاں! جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا ایمان ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے نفرت رکھنا بھی ایمان ہے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن مرزا قادیانی ملعون تھا۔ جس شخص کو مرزا قادیانی سے جتنی نفرت ہوگی، اس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی ہی محبت ہوگی۔ مرزا کے بارے میں میرا یہ الفاظ استعمال کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دلیل ہے۔

تم اپنے باپ کے دشمنوں کو اور حکومت اپنے باغیوں کو برداشت نہیں کرتی، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو کیسے برداشت کرلوں۔"

1953ء کی تحریک ختم نبوت میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو بھی گرفتار کیا گیا۔ آپ نے قید و بند کی صعوبتیں انتہائی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ جیل میں آپ کی بزرگی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے سونے کے لیے ایک چارپائی کا اہتمام کیا گیا۔ حضرت لاہوری نے جب اپنے بستر کے قریب چارپائی دیکھی۔ تو احباب سے پوچھا کہ یہ چارپائی کس کے لیے؟

احباب نے جواب دیا کہ آپ کے لیے۔

"چارپائی کو فوراً اٹھالو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اسیرانِ ختم نبوت تو زمین پر سوئیں اور احمد علی لاہوری چارپائی پر۔" حضرت لاہوری نے فرمایا:

آپ نے یہ الفاظ کچھ اس انداز سے استعمال فرمائے کہ حاضرین کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں چارپائی واپس کردی گئی اور آپ کا بستر شمع ختم نبوت کے پروانوں کے ساتھ زمین پر بچھا دیا گیا۔

اہلیہ حافظ محمد امیر معاویہ ۔ گوجرانوالہ

مہربان اُستاد

""آہ! ہائے میں مرگیا۔"" شوکا زور سے چلایا اور نیچے گر گیا۔ ورکشاپ کے باقی ملازم بھی بھاگتے ہوئے آئے۔ شوکا مسلسل چیخ رہا تھا، کیونکہ اُس کے پاؤں میں ڈیڑھ انچ کیل بری طرح اندر کی طرف دھنس گیا تھا۔ ابھی سب ملازم باری باری پوچھ ہی رہے تھے (کہ کیل کیسے لگا) کہ اُستاد کی گرج دار آواز سے سارے شاگرد پیچھے ہٹ گئے۔

""کیا ہوا ہے؟ کیوں اتنا شور مچایا ہوا ہے؟"" اُستاد کسی حاتم طائی کی طرح شوکا کے پاس آیا۔ شوکا اپنے اُستاد کی اس قدر بے حسی پر رو دیا۔

""اُستاد یہ کیل میرے پاؤں میں لگ گیا نجانے کیسے؟"" شوکے نے کراہتے ہوئے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔

""کتنی بار سمجھایا ہے کام اندھوں کی طرح نہ کیا کر۔ کوئی اور نقصان ہو جاتا تو پیسے کیا تیرا باپ بھرتا؟"" یہ کہتے ہوئے اُستاد نے بڑی بے دردی سے کیل شوکے کے پاؤں سے کھینچ نکالا۔ 16 سالہ شوکا اُستاد کی بے رحمی اور تکلیف کی شدت سے تڑپ گیا۔

""اوے چھوٹے!"" ""جی اُستاد!"" ایک اور شاگرد بھاگتا ہوا اُستاد کے سامنے کھڑا ہو گیا... ""چل جلدی سے اس کے پاؤں پر تیل شیل لگا کر پٹی باندھ دے..."" اُستاد چھوٹے پر حکم چلا کر خود واپس چلا گیا... شوکا ساری رات شدت غم اور تکلیف سے تڑپتا رہا... آخر دوسری صبح چوری چھپے دوسرے شہر شوکے نے اپنی ماں کو فون کیا... بیوہ ماں بیٹے کی تکلیف پر بے بسی سے آنسو بہانے لگی اور اپنے رب سے مدد طلب کرنے لگے...

شفقت عرف شوکا ایک غریب مستری کا بیٹا تھا... سات سال پہلے اُس کے والد ایک بیماری سے موت کی وادی میں چلے گئے تھے... ماں کی سلائی سے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہو رہے تھے... شوکا بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا... اس لیے مجبوراً شوکے کو ہی اپنی پڑھائی کو الوداع کہنا پڑا!... پانچویں کا امتحان دیے بغیر وہ ایک کاروں والی ورکشاپ پر کام کرنے لگ گیا... ورکشاپ کا اُستاد بہت مہربان تھا... شوکے کے حالات سے بھی خوب واقف تھا... سو وہ ہر طرح سے شوکے کی مدد کرتا... شوکے کو جب پیسوں کی ضرورت ہوتی، وہ اپنے اُستاد سے بے دھڑک کہہ دیتا... اور اُستاد بھی اپنی اولاد کی طرح اس کی ضرورت پوری کرتا... چھوٹے بہن، بھائی بھی اپنی تعلیم مکمل کر رہے تھے اور شوکا بھی تقریباً سارا کام ہی سیکھ گیا تھا... یہی وجہ تھی کہ شوکا اب اپنا کام کر کے مزید پیسہ کمانا چاہتا تھا... تاکہ اپنی ضروریات کے ساتھ ساتھ خواہشات کو بھی پورا کر سکے... اب وہ اُستاد کی نصیحتوں سے اُکتانے لگ گیا تھا... وہ کہتا تھا کہ اگر آج اُستاد مجھ پر اتنا مہربان ہے تو... میری ایمان داری، محنت اور لگن کو دیکھ کر... کیونکہ اُستاد جانتا ہے کہ میرا باپ نہیں ہے، میں ہی اپنے گھر کا واحد سہارا ہوں اب... وہ چند پیسوں کے عوض مجھ سے کام بھی تو زیادہ لیتا ہے اور پھر کہیں اُستاد مجھے اپنا مستقل شاگرد نہ بنا لے... اس بدگمانی کے دل میں آتے ہی شوکے کی آنکھوں پر اندھی پٹی بندھ گئی... اور وہ اپنے اُستاد کے تمام احسانات کو بھلاتا ہوا اُستاد کو بتائے بغیر ماں کی اجازت سے ایک دوسرے شہر چلا گیا... جہاں سے وہ ہر مہینے ماں کو پیسے بھیجنے لگا... اس ورکشاپ کا اُستاد نہ صرف غصے کا سخت ترین آدمی تھا، بلکہ کام کی غلطی پر بے حسی و بے رحمی سے مارنے کے ساتھ ساتھ تنخواہ سے کٹوتی بھی کرتا تھا... بیماری کی حالت میں بھی چھٹی کی اجازت نہ ہوتی... پاؤں کا زخم تو پہلے ہی تکلیف دے رہا تھا... پچھتاوے کی جلن نے تکلیف میں مزید اضافہ کر دیا... شفقت ابھی اپنے اُس مہربان اُستاد سے کی بے وفائی پر آنسو بہا رہا تھا... کہ اچانک چھوٹا اندر آیا...

نورین ایمان۔ساہیوال

""شوکے تجھ سے کوئی ملنے آیا ہے۔""

""مجھ سے کون ملنے آسکتا ہے۔"" شوکا خود سے ہم کلام ہوا... ""آ جائیں جناب اندر..."" چھوٹے کی آواز پر بھاری قدموں کی آواز والا آدمی پردے کے پیچھے ہی کھڑا ہو گیا... چھوٹا پردہ اٹھاتے ہوئے ایک بار پھر بولا...

""آئیں جناب!"" تو مہربان اُستاد شوکے کے سامنے آ کھڑا ہوا... شوکا حیرت سے پلکیں جھپکنا بھول گیا... اُستاد نے آگے بڑھ کر شوکے کو گلے لگا لیا... شوکے کی نظریں ندامت سے خود بخود جھک گئی... کافی دیر کی خاموشی کے بعد اُستاد شوکے کو بتا رہا تھا...

""میں تمہاری ماں سے تمہارا حال احوال پوچھتا رہتا تھا... میرے شوکے کا وہاں دل تو لگ گیا اور کام محنت سے کر رہا ہے کہ نہیں؟

مجھے کل تیری ماں نے بتایا کہ تو کس تکلیف میں ہے... تو مجھ سے رہا نہ گیا... تجھ سے ملنے کو بے تاب تھا... ساری رات بے چینی میں گزار دی... اور آج صبح ہوتے ہی میں تجھ سے ملنے آ گیا...""

شوکا، اُستاد کی بے لوث محبت دیکھ کر خود کو زمین میں گڑتا محسوس کر رہا تھا۔

""چل یار چلیں شوکے..."" اُستاد نے اپنے نادان شاگرد کو شرمندہ ہوتے دیکھا تو بات کا رُخ بدلا: ""مگرررر..."" شوکا ہچکچا گیا... اُستاد اس کی گھبراہٹ کا سبب سمجھ گیا... تو اُس نے شوکے کو خوب تسلی دی...

""دیکھو اگر مگر چھوڑو میں نے تیرے اُستاد سے بات کر لی ہے۔"" شوکا اپنے مہربان اُستاد کے سینے سے لگ گیا... اس کے آنسو اُستاد کے کپڑے بھگو رہے تھے...

پیغامات جو سالنامہ کے بارے میں آئے

☆ پھیکا سالنامہ بے دلی سے پڑھنے کے بعد شدت سے احساس ہوا کہ دل بہلانے کے لیے ذرا سی کوشش کی گئی ہے۔ دلی مبارک باد۔ (توقیر بنوڈی۔کلور کوٹ)

☆ سالنامے میں ضیاء اللہ محسن کی تحریر آنسوؤں کے سائے تلے نمبر ایک رہی۔ ماشاءاللہ! (نادیہ حسن۔راولپنڈی)

☆ سالنامے میں آپ کی کہانی ""ماموں"" دلچسپ رہی۔ (مادر اگل)

لیکن یہ تو سرور مجذوب کی کہانی تھی۔ (مدیر)

☆ آج کا سالنامہ سارا ہی بہت اچھا تھا مگر آپ کی کہانی سوچ کا سمندر بہت ہی اچھی کہانی تھی۔ بہت پسند آئی۔ (حافظ حمزہ شہزاد۔سرائے سدھو)

☆ انکل! سالنامہ بہت، بہت بہت زبردست ہے، ماشاءاللہ! اتنا زبردست سالنامہ نکالنے پر میری طرف سے دل کی گہرائیوں سے مبارک باد! اس بار اشتہارات تو گویا تھے ہی نہیں۔ ادارے والوں نے ساری کسر بائیکاٹ نمبر میں پوری کر دی تھی شاید۔

ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک ہے مگر آپ کی کہانی سوچ کا سمندر تو بہت ہی اعلیٰ ہے اور رفعت جبیں کی کہانی میری زندگی کا مقصد بھی زبردست ہے۔ ماشاءاللہ! بہت مزا آ رہا ہے کہانیاں پڑھتے ہوئے۔

(فرحت کلثوم انصاری۔جھنگ صدر)

☆ بہت خوب! اب 600 نمبر 100 صفحات کا ہونا چاہیے۔ (ف ح۔کراچی)

☆ انکل جی! اتنا زبردست سالنامہ! خوشی سے برا حال ہے۔ سب سے بڑی خوشی اشتہارات نے زیادہ صفحات نہیں لیے۔ (نادیہ حسن۔راولپنڈی)

ہڈی کے بغیر

لیاقت علی مجبہ

بکرا عید ایک بار پھر سر پر آچکی تھی اور ایک عدد بکرے کا سوال پھر سے ہمارے سامنے سر اٹھائے کھڑا تھا۔ یہ سوال تھا بھی بہت مہنگا۔ بات سیکڑوں کی نہیں ہزاروں کی تھی اور مہنگائی نے پہلے ہی کمر توڑ رکھی تھی۔ بکرا لینا بھی ضروری تھا کیوں کہ نہ لینے کا مطلب تھا، عید کے دن گوشت سے مکمل محرومی۔ ہم بہت پریشان تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ پچھلے سال کے تجربے کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم تو بکرا خریدنے کے لیے جانے سے توبہ کر چکے تھے۔ ارادہ تھا کہ کسی ذمہ دار، سمجھ دار اور تجربے کار شخص کے ذمے یہ کارِ خیر لگایا جائے مگر کس کے؟ ہم سوچ سوچ کر تھک گئے، لیکن کوئی نام ہمارے ذہن کی سلیٹ پر نہیں ابھرا۔ وجہ یہ تھی کہ ہم چاہتے تھے کہ آدمی سمجھ دار اور تجربے کار ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان دار بھی ہو اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ فی زمانہ ایمان دار آدمی ڈھونڈنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ابھی ہم اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ اچانک ہمارے چچا زاد بھائی آصف آن ٹپکے (موصوف وہی چچا زاد بھائی ہیں جنھوں نے پچھلے سال ہمارا خریدا ہوا بکرا کمال مہربانی سے اپنی ذاتی کاوشوں اور تعلقات استعمال کرتے ہوئے تبدیل کرا دیا تھا جس میں ہمارے ساتھ فراڈ کیا گیا تھا) سلام دعا کے بعد بولے:

''آپ نے بکرا لے لیا یا ابھی لینا ہے۔''

''کہاں لیا ہے یار! ابھی لینا ہے۔''

''اچھا! پھر تو آپ کے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری ہے۔''

''وہ کیا؟''

ہم نے جلدی سے کان کھڑے کیے۔

''وہ یہ کہ یہاں نزدیک ہی میرے جاننے والے کے پاس ایک بکرا کھڑا ہے۔ بکرا کیا ہے سمجھو گائے کا بچھڑا ہے۔ بہت موٹا اور صحت مند۔ گوشت ہی گوشت ہے ہڈی تو نام کو بھی نہیں۔ بون لیس بکرا ہے بون لیس۔''

''بون لیس بکرا!'' اپنے چچا زاد بھائی کے منہ سے یہ الفاظ سن کر ہم تو حیرت کے سمندر میں ڈبکیاں لگانے لگے۔ وہ تو شکر ہے ہم تیراکی کے کچھ اصولوں سے واقف تھے، ورنہ ہم تو ڈوب ہی چلے تھے۔ ہم نے اپنے گم ہوتے حواسوں کو فوری کال بیک دی اور حیرت کے سمندر میں آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگے۔ ادھر آصف اور سب گھر والے سمجھ رہے تھے کہ حیرت کی زیادتی کی وجہ سے اسے سکتہ ہو گیا ہے اور ہم ہونقوں کی طرح سب کی صورت تک رہے تھے۔

''کیا کہا؟ بون لیس بکرا! ارے یار! بون لیس ہانڈی اور بون لیس تکوں کا نام تو سنا تھا، بون لیس بکرا پہلی مرتبہ سن رہے ہیں۔ کیا محکمہ جنگلی حیات نے بکروں کی یہ کوئی نئی قسم ایجاد کی ہے؟'' حواسوں میں پوری طرح آنے کے بعد ہم چلائے۔ اس سے پہلے کہ ہم دوبارہ بے ہوش ہوتے، آصف نے جلدی سے کہا:

''بھائی! آپ میرے ساتھ چل کر بکرا دیکھ لیں۔ اگر پسند آجائے تو مناسب پیسوں میں لے لیں گے۔''

''چلو! نیک کام میں دیر کس بات کی۔'' اور ہم ایک بار پھر بکرا خریدنے کے لیے نکل پڑے۔ بکرے کے مالک کے پاس جا کر جب ہم نے بکرا دیکھا تو ایک بار پھر حیرت کے سمندر میں گم ہونے لگے۔ ہمارے چودہ کے چودہ طبق چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہو گئے اور آنکھیں پھٹ کر باہر نکلنے لگیں۔ بکرا کیا تھا، گوشت کا ایک پہاڑ تھا جس کے ہر طرف گوشت ہی گوشت تھا۔ ہڈی تو کہیں نظر ہی نہیں آتی تھی۔ موٹی موٹی ٹانگیں، بڑا موٹا سا سر اور اس پر بڑے بڑے سینگ اور گائے کی طرح موٹی سیاہ نشیلی آنکھیں۔ سیاہ ریشمی کھال اور اس پر موٹے موٹے سفید دھبے۔ سفید اور سیاہ رنگ کے حسین ملاپ کے ساتھ موٹا ہونے کے علاوہ بکرا خوب صورتی کا شاہکار تھا۔ بکرے کو دیکھتے ہی ہمارے منہ سے بے اختیار نکلا:

''سبحان اللہ! چشمِ بد دور!''

قدرت کے اس شاہکار کو دیکھ کر ہم جھوم ہی اٹھے اور اپنی قسمت پر رشک

کرنے لگے۔ ہم اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ اگر اس بکرے کے گوشت کے سنت طریقے کے مطابق ایمان داری سے تین حصے بھی کیے جائیں تو بھی ہمارے حصے میں اچھا خاصا گوشت آجائے اور سنت بھی پوری ہو جائے گی۔ سو ہم نے آصف سے سرگوشی کی:

''بکرا تو ٹھیک ہے، لیکن اچھی طرح سے تسلی کر لو کہیں یہ سیاسی بکرا نہ ہو جس کے کھانے کے دانت اور ہوں اور دکھانے کے اور۔''

''ایسی کوئی بات نہیں، فکر نہ کرو، بندہ اعتماد والا ہے۔'' آصف نے ہمیں تسلی دی۔

''چلو ٹھیک ہے بات کرو۔'' ہم نے مطمئن ہو کر کہا۔ ہمارا اشارہ پاتے ہی وہ بکرے کے مالک کو ایک طرف لے گیا اور بھاؤ تاؤ کرنے لگا۔ جب کہ ہم بکرے کو دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے لگے اور دل ہی دل میں اس کے مزے دار گوشت سے بنے چٹخارے دار پکوانوں کا مزا لیتے ہوئے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے کے لیے اس کی طرف بڑھے۔ بکرے نے ہمیں اپنی طرف آتا دیکھتے ہی اپنی دونوں اگلی ٹانگیں اٹھائیں اور خونخوار نظروں سے ہمیں دیکھتے ہوئے ہمارے استقبال کو کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں ہم سے کہہ رہی تھیں:

قیمتی پونجی

راشد علی ۔ نواب شاہ

''یار! آج پھر میتھ کا پیریڈ بور گزرا۔''

''ہاں یار!'' سب دوستوں نے میری ہاں میں ہاں ملائی۔

ہم میٹرک کے طلبہ کا سر اشفاق صاحب کے پاس میتھ کا مضمون تھا اور سر اشفاق ہمیں چھوٹی چھوٹی باتیں بھی سمجھاتے تو ہمیں بوریت ہونے لگتی۔

آج وہ یہ سمجھانے لگے کہ کسی خط کا پتا کیسے لکھا جاتا ہے۔

اور پھر بورڈ پر لکھ کر سمجھایا اور پھر سمجھانے لگے، جب کسی دوسرے شہر جانا ہو تو جہاں پہلے نہ گئے ہوں، وہاں کا پتا مکمل لکھ کر الگ الگ کاغذوں پر لکھو کہ کہیں ایک کاغذ گم ہو جائے تو دوسرا محفوظ رہے۔

''ارے بھلا! آج موبائل کا زمانہ ہے، الگ کاغذ پر لکھنے کی کیا ضرورت اور پھر موبائل میسج کر وا کر محفوظ کر لیا۔''

ان کے پرانے زمانے کی باتیں ہمیں بور کر دیتی تھیں، ہمیں تو جدید معلومات چاہییں، ہم سب لڑکے بریک میں آج یہی باتیں مزے لے کر کر رہے تھے۔

یادوں کے دریچے سے یہ سوچ سوچ کر آج ہم گھومے جا رہے تھے۔

میں پنجاب کے علاقے کوٹ رادھا کشن میں رہتا ہوں، اپنے کزن سے رقم لینی تھی جو کراچی میں رہتا ہے۔ امی سے ضد کرنے لگا کہ ابھی کام شروع ہو رہا ہے، کاروبار اتنا چلے گا نہیں، کیوں نا چچا زاد بھائی سے قرض کی رقم بھی وصول کر لوں اور کراچی بھی گھوم لوں، یہ میری زندگی میں کراچی کا پہلا سفر تھا۔

تیس ذوالحجہ کو کوٹ رادھا سے چلا اور یکم محرم کی صبح کراچی پہنچا، حکومت نے حالات کے پیش نظر موبائل جام کر دیے تھے۔ اب میرے پاس اپنے کزن کا ایڈریس نہیں تھا۔

کاش! چلنے سے پہلے ایک کاغذ پر الگ سے لکھ لیتا، حالاں کہ گھر سے روانہ ہونے سے پہلے میری اس سے بات بھی ہو گئی تھی۔

اس نے بھی کہا کہ کراچی پہنچنے سے ایک گھنٹا پہلے فون کر دینا، تمھیں کینٹ سے لے لوں گا۔

اب شام چھ بجے موبائل سروس کام کرے گی۔

شام تک بور بیٹھا رہوں گا اور مزید یہ ہوا کہ میری جیب بھی کٹ چکی تھی۔ ساری رقم بھی لٹوا چکا ہوں، شکر ہے کہ موبائل بچ گیا وہ دوسری جیب میں تھا۔

''ایک بات یاد رکھیے گا، والدین کی اجازت کے بغیر کہیں نہ جائیں۔'' یہ سر اشفاق کی دوسری بات تھی۔

''امی نے مجھے منع بھی کیا تھا کہ کراچی کے حالات ٹھیک نہیں ہیں، تم نہ جاؤ، لیکن میں ضد کر کے چلا آیا، اب رات سے بھوکا یہاں بیٹھا ہوں، اسی ایک سفر نے مجھے وہ سب سکھا دیا تھا، ماضی کی وہ باتیں جنھیں میں بور کہتا تھا، آج سے میرے سامان کی سب سے قیمتی پونجی بن چکی تھیں۔

''آؤ آؤ! میرے قریب آؤ تو سہی، ایک ہی ٹکر میں پوری بتیسی نکال کے نہ رکھ دوں تو۔'' ہم جہاں تھے، وہیں ٹھٹھک کر رہ گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ بکرا آگے بڑھ کر ہماری جرأت کا جواب دیتا ہم الٹے قدموں پیچھے ہٹے اور ہاتھ جوڑ کر بولے:

''بھائی بکرے! ہمیں معاف کر دو۔ ہم آیندہ تم سے تو کیا کسی سے بھی پیار کرنے کی کبھی غلطی نہیں کریں گے۔ یہ ہمارا تم سے وعدہ ہے۔ پکا وعدہ۔ ہمیں اپنی بتیسی نہیں تڑوانی۔ رحم کرو رحم۔ بکرا عید سر پر ہے۔'' اسی وقت ہم نے آصف کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ ہم جلدی سے سیدھے ہوئے اور اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

''وہ تو تیس سے کم پہ نہیں مان رہا تھا، لیکن میں نے اسے پچیس ہزار پہ راضی کر لیا ہے۔'' آصف نے بتایا۔

''پپ! پچیس ہزار! یہ تو زیادہ ہیں۔ بیس ہزار مناسب تھے۔'' ہم منمنائے۔ اس نے ہمارے کہنے پہ ایک کوشش اور کی، لیکن وہ صاحب مان کے ہی نہیں دیے اور ہم پر احسانِ عظیم فرماتے ہوئے بولے:

''یہ تو آپ جاننے والے ہیں اس لیے، ورنہ مجھے تو اس سے بھی زیادہ مل رہے ہیں۔'' اس کے حتمی انداز کو دیکھ کر ہم سوچ میں پڑ گئے۔ آخر کار تھوڑی دیر سوچ بچار کے بعد ہم بکرے کی تلاش میں مزید خواری سے بچنے کے لیے اسے پچیس ہزار دینے پر آمادہ ہو گئے۔ ہزار ہزار کے پچیس نوٹ گن کر اسے پکڑائے اور بکرا لیے گھر آ گئے۔ گھر آتے ہی حسبِ سابق ہم اس کی ناز برداریوں میں لگ گئے اور ''حصہ بقدرِ جثہ'' کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے اس کے لیے ڈھیروں کے حساب سے چنے، کھل اور چوکر منگوایا تا کہ وہ سیر ہو کر کھائے اور اپنا گوشت اور بڑھائے۔ بکرے کو گھر آئے تیسرا دن تھا۔ سب سے پہلے اسے ''گڈ مارننگ'' کہا کرتے تھے۔ اس دن اٹھتے ہی جب ہم بکرے کے پاس پہنچے تو ایک عجیب بلکہ انتہائی غریب منظر ہمارا منتظر تھا۔ اس منظر کو دیکھتے ہی زمین ہمارے قدموں تلے سے نکل گئی اور آسمان سر پر آ گرا۔ ہمارا دماغ گھومنے لگا اور ہم ایک بار پھر سے ہوش و حواس کھونے لگے۔ ''بچھڑے'' کی جگہ وہاں ''میمنا'' کھڑا تھا۔ ہم حیران اور پریشان کہ یہ کایا کلپ کیسی؟ راتوں رات ''بون لیس بکرا'' ''بونز کا ڈھانچہ'' کیسے ہو گیا۔ ادھر اُدھر سب سے پوچھا مگر کوئی اس راز سے پردہ نہ اٹھا سکا۔ آخر کار عید کا دن آ پہنچا۔ عید کی نماز کے بعد جیسے ہی قصائی آیا تو بکرے کو دیکھتے ہی حیرت سے گنگ زمین میں گڑ گیا اور کچھ دیر تک کچھ نہ بول سکا۔ تھوڑی دیر بعد پھٹی پھٹی آنکھوں سے بکرے کو دیکھتے ہوئے حیرت سے بولا:

''اتنا موٹا بکرا! ہمیں تو آج تک کہیں نہ ٹکرا۔'' اس پر ہم نے اسے سارا ماجرا سنایا۔ ہماری بپتا سن کر وہ بولا:

''صاحب جی! یہ کاروباری لوگ بڑے حضرت ہوتے ہیں۔ یہ رات کو بکروں کو آٹا کھلا کر اوپر سے پانی پلا دیتے ہیں جس سے بکرے کا جسم پھول جاتا ہے اور وہ بہت موٹا اور صحت مند معلوم ہوتا ہے۔ پھر ایک دو دن میں وہ واپس اپنی اصلی حالت پہ آ جاتا ہے۔'' جب بکرے کو ذبح کیا گیا تو چند کلو ہڈیاں اور تھوڑا سا گوشت ہاتھ آیا۔ اس تھوڑے سے گوشت کو دیکھ کر ہم سوچ میں پڑ گئے کہ یہ خود کھائیں یا عوام الناس میں تقسیم کریں۔ سوچ سوچ کر ہمارا ذہین فطین دماغ تھک گیا مگر ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ یہاں ہماری ساری ریاضی بھی فیل ہو گئی تھی جس پر ہمیں بہت ناز تھا۔ اب ہم تین میں تھے نہ تیرہ میں۔ بس یہ سوچ رہے تھے کہ دکھاتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے، نہ جانے ہمیں دکھانے کے لیے ابھی اور کتنے رنگ آسمان کی جھولی میں تھے۔

اے زائرینِ حرم

اے زائرینِ حرم! آج تم سے ایک شخص مخاطب ہے... غربت کی چادروں نے جس کی جمع پونجی ختم کر دی... رحمتوں میں گھرا مکان اور سبز گنبد دیکھنے کی حسرت برائے حسرت ہی رہی... ایک وہ خوش قسمت جو ہر سال ہی کوچۂ حبیب ﷺ کے لیے رختِ سفر باندھ جاتے ہیں... اور ایک یہ کہ سبز گنبد کی تصویریں دیکھ کر ہی دل ٹھنڈا کر لیتا ہے... آپ پاسپورٹ بنوا رہے ہوں گے... یہ چھوٹا سا کتابچہ جسے آپ پاسپورٹ کہتے ہیں... یہ لفظ سنتے ہی میرے دل میں ایک ہوک سی اُٹھتی ہے... چند لمحے کی مسکراہٹ میرے لبوں پر پھیل کر ایسے ختم ہو جاتی ہے جیسے سمندر کنارے کوئی لہر ریت میں جذب ہو جائے... بیگ تیار کیے جا رہے ہیں... سفید چادریں خریدی جا رہی ہیں... سامانِ ضرورت کی لسٹ بنائی جا رہی ہے...

جب جانے والے اتنی شان سے جاتے ہیں وہ دربار کتنی شان والا ہوگا... ائیر پورٹ اور یہ جہاز، کبھی کوئی جہاز میرے گھر کے صحن کے اوپر سے گزرتا ہے تو میں اسے دیر تک تکتا رہتا ہوں... بس یوں ہی دل میں آتا ہے کہ یہ وہی ہے جو خوش قسمتوں کو لے کر دیارِ حبیب کی گلی میں جا اُتارتا ہے... زیارت کرنے والے! آج قرعہ اندازی میں تیرا نام نکلا ہے... خوش قسمتوں کی فہرست میں تیرا نام آیا ہے... تو حرمین کا مسافر ہے... مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے... اور جب مسافر حرمین کا ہو تو سبحان اللہ!

تیری پہلی نظر کعبے پر پڑے گی... میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے دل کے سمندر میں اضطراب آ گیا ہے... یہ اضطراب آنکھوں میں موجوں کی شکل میں رواں ہو جائے گا، اس کے سامنے آج بند باندھنا ممکن ہی نہیں... انھیں مت روکنا... یہ زندگی بھر کے داغ دھو دے گا... تیری ہچکیاں اور سسکیاں خاموش ماحول میں بکھرنے لگیں گی...

حجرِ اسود کو دل تھام کر چومنا... یہ وہی پتھر ہے جس نے سیدِ دو عالم ﷺ کے لبوں کی مٹھاس چوسی ہے... قیامت والے دن یہ تجھے پہچانے گا اور تیری گواہی دے گا... کسی نے حجرِ اسود سے پوچھا تھا:

"اے حجرِ اسود! تو ہے بھی پتھر! ہے بھی کالا! پھر ساری دنیا تجھے کیوں چومتی ہے؟" حجرِ اسود نے جواب دیا: "ہاں پتھر ہی ہوں۔ رنگ بھی کالا ہے مگر ساری دنیا مجھے اس لیے چومتی ہے کہ مجھے چومنے والا کملی والا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

ملتزم سے چمٹنا بھی نصیب ہوگا... ساری زندگی جس کی طرف رُخ کر کے عبادت کی تھی... آج اس کا اتنا قرب... اے ذائر! سینہ چمٹا لے اپنا رخ چوکھٹ پر دھر کے آج اپنے مولا سے سب کچھ منوا لے...

محمد۔ لاہور

طواف اور سعی کے وقت ایک دعا یاد رکھنا... آج تو جتنا تھکے گا تجھے اتنا ہی رب پیار سے تکے گا...

آبِ زم زم کے چشمے پر آ جا... زہے نصیب! یہ وہ پانی ہے جس میں محبوب دو عالم ﷺ کا جھوٹا شامل ہے... حضور ﷺ نے ایک ڈول بھرا... آدھا پی کر باقی دوبارہ اس میں ڈال دیا تھا، تا کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو پیارے نبی ﷺ کا جھوٹا نصیب ہو...

مکے میں چند دن قیام کرنے کے بعد اب تیری اگلی منزل دیارِ حبیب ہوگی... تو باوقار قدم اُٹھائے گا... مگر میں جانتا ہوں، تیری روح کی کیفیت کیا ہوگی... سبز گنبد پر نظر ٹھہر جائے گی... تو دیر تک اسے تکتا رہے گا... مسجدِ نبوی کے اندر آئے گا... تیری نظر عاشقوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر پر پڑے گی... تجھے آہستہ چلنا ہوگا... آواز مدہم رکھنی ہوگی... وہاں تجھے بہت کچھ نظر آئے گا... صدیق اکبر کا مکان... ہجرت کی رات... اے ذائر! خدا کے لیے مجھ سے مت پوچھ... میں بتاتے بتاتے کہاں سے کہاں نکل جاؤں گا... بائیں طرف تجھے ایک حدیث لکھی نظر آئے گی... حضور ﷺ قیامت والے دن اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے... میں اسی شفاعت کی امید پر ہی تو دنیا کی زندگی کے چند سانس لے رہا ہوں... اس کے علاوہ میرے پلے ہے ہی کیا... نظریں جھکا خدا کے لیے اور چلتا جا... بائیں طرف کن انکھیوں سے دیکھ... تجھے جالیاں نظر آئیں گی... سنبھل! کہیں ضبط کے تمام بندھن نہ توڑ بیٹھنا... مبارک! اے ذائر مبارک! زندگی بھر کی جمع پونجی آج تیرے کام آئی... ذرا کسی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو جا... الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ... آج جی بھر کے درود و سلام بھیج... یہ وہی جگہ ہے، عرشِ الٰہی کو بھی جس پر رشک آتا ہے... اس میں تیرا وہی نبی ﷺ ہے جس نے تیری خاطر طائف میں پتھر کھائے تھے... تیری خاطر پیٹ پر پتھر باندھے تھے... چاند پر چاند نظر آتا اور اس کے گھر میں چولھا نہیں جلتا تھا... جس نے زندگی میں تجھے یاد رکھا... موت کے وقت بھی یاد رکھا... قیامت والے دن بھی سب نفسی نفسی کہیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمتی اُمتی کہیں گے... اے ذائر! ذرا خیال رکھنا... جالیوں کے سامنے جانے سے پہلے ذرا ایک نظر اپنے سراپے پر ڈالنا... اگر تیری شکل تیرا سراپا اس نبی ﷺ جیسا نہ ہوا تو کہیں وہ... اپنا رخِ انور نہ پھیر لیں... آہ! تیرا کیا بنے گا... یاد رکھنا اگر تو نے اپنے آپ کو ان جیسا بنانے کی کوشش کی تو پھر تو بظاہر بہت دور ہی کیوں نہ ہو، اس کے بہت قریب ہوگا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا، اس کے دشمنوں جیسی وضع قطع بنائی تو پھر تو جالیوں سے بھی لگا کھڑا ہوگا تو پھر بھی ان سے بہت دور ہوگا...

اے ذائر! جب تو درود و سلام بھیج رہا ہو، تو ایک بے بس و بے کس امتی کا سلام بھی پیش کر دینا... یہ بے بس و بے کس تو پہلے ہی بہت تھا... اب دشمنانِ دین کے گستاخانہ حملوں کے بعد... یہ اور بھی شرمندہ ہے... اسے اپنے آپ سے گھن آنے لگی ہے... اس کا نام اگر محبوبِ خدا ﷺ کے نام جیسا نہ ہوتا تو یہ ناکارہ سلام بھیجتا اور نام بتانے کی جرأت نہ کرتا...

☆ استاد: بتاؤ! یہ کون سا زمانہ ہے، تم آم کھا رہے ہو، وہ آم کھا رہے ہیں، میں آم کھا رہا ہوں۔
شاگرد: سر! یہ آم کھانے کا زمانہ ہے۔
(محمد حذیفہ حیدر۔ چنچ گرائیں)

☆ استاد: 185 میں سے 5 نکال دیں تو باقی کتنے بچیں گے۔
شاگرد: جی 18۔

☆ مریض: ڈاکٹر صاحب! میں کیا کیا کھا سکتا ہوں۔
ڈاکٹر: میری فیس کے علاوہ تم سب کچھ کھا سکتے ہو۔ (انصر علی۔ وہاڑی)

☆ ایک شخص: میں نے پچھلے سال اپنے کتے کو دریائے سندھ میں پھینکا تھا۔ اب تک بہہ رہا ہے۔
دوسرا شخص: (حیران ہو کر) آپ کا مطلب ہے، آپ کا کتا؟
پہلا شخص: جی نہیں! دریائے سندھ۔
(جاوید ہاشمی۔ مردان)

آمنے سامنے

☆ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: بچوں کا اسلام میں جتنی بھی دو باتیں پڑھیں، آپ نے سب میں گول مول ہی باتیں کیں۔ دو باتیں کے صفحے میں آپ نے دس باتیں کی ہوتی ہیں۔ کام کی بات کم ہی نظر آتی ہے۔ ویسے دو باتیں کو سو باتیں بنانے کا ڈھنگ آپ خوب جانتے ہیں۔ (خنسا محمود۔ گوجرانوالہ)

شمارہ 572 میں دو باتیں دھماکا خیز تھیں۔ (خنسا محمود گوجرانوالہ) شمارہ 574 میں دو باتیں پہلی نظر میں بہت لمبی لگیں، لیکن پڑھتے ہوئے پتا بھی نہ چلا۔ (خنسا محمود۔ گوجرانوالہ)

ج: یہ تینوں خط ہی آپ کی باتوں کا جواب ہیں۔

☆ دس سال کی عمر سے بچوں کا اسلام پڑھ رہی ہوں۔ اب انیس سال کی ہوں۔ آپ کے تمام مستقل سلسلے، دو باتیں، قدم بہ قدم، ناول تو رسالے کی روح ہیں۔ لکھنے والوں میں ہمیں ہاشمین، بینا رانی، حافظ عبدالجبار، حافظ عبدالرزاق، فوزیہ خلیل، حمزہ شہزاد، عمارہ خالد، سرور مجذوب اور اشتیاق احمد یہ بھی بہت پسند ہیں۔
(رقیہ بنت حافظ محمد حسین۔ پپلاں)

ج: اللہ کا شکر ہے!

☆ انکل اشتیاق! مجھے آپ سے ملاقات کا شدید اشتیاق ہے۔ میرے اس اشتیاق کی لاج رکھتے ہوئے اور اپنے اشتیاق ہونے کا پاس رکھتے ہوئے اس اشتیاق بھرے اشتیاق نامے کو بھرپور اشتیاق کے ساتھ لوگوں کی اشتیاق والی جگہ (آمنے سامنے) میں جگہ دیں۔
(معاویہ عمر طیبی۔ اوکاڑہ)

ج: آپ کا خط پڑھ کر تو میں خود کو بھی اشتیاق محسوس کرنے لگا ہوں۔

☆ یہ ہمارا کتنواں خط ہے، ہمیں خود بھی معلوم نہیں، کیونکہ نیکی کر دریا میں ڈال، لیکن یہاں معاملہ ہو ہو سکتا ہے، خط لکھ اور ردی کی بالٹی میں ڈال۔ ہم پوچھنا چاہتے ہیں، لکھنے کے لیے مطالعے اور مشاہدے کے علاوہ اور کس چیز کا ہونا ضروری ہے۔
(حافظ عمر فاروق بن عبداللہ۔ سناواں)

ج: قلم اور کاغذ کا ہونا ضروری ہے۔

☆ نانا جی! آپ نے کافی دن پہلے لکھا تھا کہ اسلامی جنگیں قدم بہ قدم عنقریب کتابی شکل میں شائع ہوگی، لیکن ہم تو انتظار کرتے کرتے تھک چکے ہیں۔ پتا نہیں ابھی اور کتنا انتظار باقی ہے۔ آپ کم از کم یہ تو بتا دیں کہ ابھی اور کتنا انتظار باقی ہے۔ بچوں کا اسلام میں سوال اور جواب کا سلسلہ بھی شروع کر دیں۔ (مظہر عباس صدیقی۔ کبیر والا)

ج: یہ معاملہ ایک بالکل الگ شعبے کا ہے۔ انھوں نے یہی کہا تھا کہ عنقریب شائع کر دی جائے گی، لیکن ایسا ہوا نہیں، لہٰذا انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ویسے میں انھیں پھر یاد کرانے کی کوشش کروں گا۔

☆ بچوں کا اسلام کی پرانی قاریہ ہیں۔ کئی خط لکھ چکی ہیں اور اس خط سے پہلے تمام خطوط رسال پور سے لکھے ہیں۔ پتا نہیں، رسال پور والے خطوط آپ تک کیوں نہیں پہنچاتے۔ یہ خط تنگ آ کر نوشہرہ سے بھیج رہی ہوں کہ شاید آپ تک پہنچ جائے اور شائع ہو جائے یا پھر آپ تک خط تو پہنچے ہیں، یا آپ رسال پور والوں کے شائع نہیں کرتے۔ اگر یہ خط شائع ہو گیا تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ یہ محکمہ ڈاک کی غلطی تھی۔ آپ کا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔ (زاہدہ خان، عائشہ خان، فائزہ خان، لائبہ خان۔ رسال پور کینٹ)

ج: محکمہ ڈاک والوں کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ ردی کی بالٹی کا کام معلوم ہوتا ہے۔ ویسے خطوط شہروں کا نام دیکھ کر شائع نہیں کیے جاتے۔

☆ بچپن سے آپ کے ناولوں کی قاریہ ہوں۔ بچوں کا اسلام کے ذریعے آپ سے ناطہ جڑا ہے۔ اسی رشتے سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ آپ کی تحریروں سے زندگی میں بہت کچھ سیکھا اور پایا۔ آپ کی مصروفیات کا بھی اندازہ ہے، پھر بھی نہ جانے کیوں دل چاہا، آپ کو خط لکھا جائے۔ خط میں اپنا ایک مسئلہ لکھ رہی ہوں۔ (میمونہ مظہر۔ کراچی)

ج: آپ کا مسئلہ پڑھا۔ یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے، لیکن خط پر نہ آپ نے پتا لکھا، نہ فون نمبر۔ رابطہ کیسے ہو۔

☆ میں بہت کہانیاں لکھتی ہوں، لیکن پھر خود ہی تنقیدی نظر سے ان کو دیکھتی ہوں اور اب تک یہی ہوتا آیا ہے کہ ہر کہانی میری اپنی ہی نظروں میں ناقابلِ اشاعت ٹھہرتی ہے۔ جس دن میری کسی کہانی نے قبولیت کی سند پالی، اسی روز کہانی ارسال کر دوں گی۔ (ام ہانی۔ تربیلا ڈیم)

ج: طریقہ تو آپ کا اچھا ہے، لیکن پھر بھی آپ کسی مدیر کو کہانیاں ضرور بھیجیں۔

☆ یہ اس وقت کی بات ہے، جب بچوں کا اسلام کو عدم سے وجود میں آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا، تب اس کی عمر بہت ہی تھوڑی تھی اور یہ اخبار کی شکل میں تھا۔ میں اس وقت سے اس بے مثل رسالے کا قاری ہوں۔ آپ کو آج تک خط اس لیے نہیں لکھا کہ ردی کی بالٹی کے ہاضمے سے ڈر لگتا ہے، لیکن ہر اتوار کو میرا یہ محبوب رسالہ میرے دماغ پر دستک دیتا ہے کہ ہمت مرداں مدد خدا اور یہ کہ مایوسی گناہ ہے۔ (ظفر منصور۔ ملتان)

ج: مایوسی واقعی گناہ ہے۔

☆ دادا ابو! بچوں کا اسلام کے تمام سلسلے ہی بہت اچھے ہیں۔ خاص طور پر واقعات صحابہ کے، مسکراہٹ کے پھول، ویسے مجھے سب سے زیادہ آپ کی کہانیاں پسند ہیں۔
(رابیل محمد خان)

ج: شکریہ!

☆ ہمیں بچوں کا اسلام سے محبت تھی۔ پھر اس سے عشق ہوا، اب جنون کی حالت میں ہیں۔ بچوں کا اسلام بلاشبہ ایک عظیم رسالہ ہے۔ اس میں اصلاح اور اخلاق کے روشن چراغ ایک عجیب کشش کے ساتھ روشن ہیں۔ چند تحریریں ارسال خدمت ہیں۔
(محمد عثمان حبیب۔ کہروڑپکا)

ج: آپ کو یہ جنون مبارک ہو۔

☆ مہربانی فرما کر آپ ہمیں صرف یہ بتا دیں کہ آپ کی ردی کی ٹوکری کتنی بڑی ہے، کئی ملکوں سے آنے والے خطوط ہضم کر جاتی ہے۔ اتنے خطوط کھا کر بھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ ہم نے کئی خط لکھے، لیکن ابھی تک ایک بھی شائع نہیں ہوا۔ (حافظ محمد حذیفہ۔ ہارون آباد)

ج: بھائی ٹوکری نہیں۔ بالٹی!

☆ لگتا ہے، آپ کراچی والوں سے ناراض ہیں، کیونکہ نہ تو آپ نے آج تک میرا کوئی خط شائع کیا، نہ کوئی مضمون یا پھر آپ کو میرے خط کی کوئی بات ناگوار گزری ہے جس کی بنا پر آپ کوئی خط شائع نہیں کر رہے۔ (ام عادل۔ سہراب گوٹھ۔ کراچی)

ج: ایسی قطعاً کوئی بات بھی نہیں اور پھر خطوط شہروں کے نام دیکھ کر تو شائع کیے بھی نہیں جاتے۔ شکریہ!

مسکراہٹ کے پھول

☆ ایک شخص: (ڈاکٹر صاحب) بچپن میں آپ بڑے ہونے پر کیا بننے کی خواہش کیا کرتے تھے۔
ڈاکٹر: میں ڈاکو بننے کی خواہش کیا کرتا تھا۔
وہ شخص: تب تو آپ کو مبارک ہو۔ (جاوید نظیر۔ ساہیوال)

☆ خاتون: میرے شوہر ایک سال پہلے سبزی لینے گئے تھے، آج تک لوٹ کر نہیں آئے۔
تھانے دار: بہت افسوس ہوا! اس روز پھر آپ نے کیا پکایا تھا۔ (نذیر احمد نعمانی۔ گجرات)

☆ استاد: تم ہوائی جہاز پر مضمون لکھ کر کیوں نہیں لائے۔
شاگرد: سر! اس سے پہلے کہ میں مضمون لکھتا، وہ اڑ گیا۔ (عبدالستار اعوان)
ڈاکٹر: بیٹا! تمھیں ناک اور کان کی کیا تکلیف ہے؟
بچہ: جی یہ قمیص اتارتے وقت درمیان میں آ جاتے ہیں۔ (اقصیٰ انجم۔ لاہور)

☆ بھکاری: پینٹ والے بابو! اندھے فقیر کو کچھ دیتے جاؤ۔
راہ گیر: (حیران ہو کر) تمھیں کیسے پتا چلا کہ میں نے پینٹ پہن رکھی ہے۔
بھکاری: میں آنکھوں کا اندھا ہوں۔ عقل کا نہیں۔ (راجہ انور۔ ملتان)

اشتیاق احمد کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناول

پیکٹ کا راز	110/-	بھیانک سازش	110/-	زلزلے کا فرار	110/-	خطوط کا فریب	110/-	بھیانک رُوپ	110/-	نئے خاص نمبر	
بے آواز دھماکے	110/-	پستول کا اغواء	110/-	خوفزدہ آدمی	110/-	گمنام ہمدرد	110/-	بدنصیب ہوٹل	110/-		
پراسرار پٹاخے	110/-	باورچی خانے میں لاش	110/-	نقلی چہرہ	110/-	سازش کا شکار	110/-	کانسی کا مجسمہ	110/-	تین کا طوفان	300/-
ڈاکو کا وار	110/-	خون کے سوداگر	110/-	جنگل کا قانون	110/-	بوڑھا چہرہ	110/-	خاموش ہتھیار	110/-	شاگورہ کا بازیگر	300/-
جنگل میں کارنامہ	110/-	قاتل قصبہ (پیتل کا مجسمہ)	110/-	ہولناک لمحے	110/-	حویلی کا اسرار	110/-	اندھا ظلم	110/-	کالا راز	300/-
پارسل میں بم	110/-	زہریلا کمرہ	110/-	آخری خواہش	110/-	ہیٹ والا	110/-	فائل کا دھماکہ	110/-	چن گام کا جرم	300/-
جیل سے فرار	110/-	کیمرے کا راز	110/-	خونی پہاڑیاں	110/-	نوٹ بک	110/-	بلیک گولڈ	110/-	بلیک ہارٹ	300/-
تجوری کی چور	110/-	خونی جیل	110/-	گھریلو نقاب پوش	110/-	وادیٔ مرجان	110/-	ہمشکل سازش	110/-	ایک ارب ڈالر کا منصوبہ	300/-
بے تاج بادشاہ	110/-	تیسرا آدمی	110/-	لنگڑی سازش	110/-	ریچھ نما آدمی	110/-	آپریشن الورا	110/-	زاران کی زنجیر	300/-
عمارت میں بم	110/-	سفید خون	110/-	خونی دھواں	110/-	چائے کا کپ	110/-	مجرم منصوبہ	110/-	پانچ ملکوں کی سازش	300/-
گولیوں کی دبا	110/-	چوٹ پر چوٹ	110/-	پراسرار مہم	110/-	کار کی تلاش	110/-	دائرے میں خوف	110/-	لی شن پلان	300/-
پنسل کے شکار	110/-	مصنوعی قتل	110/-	خونی کیمپ	110/-	ہیرا دیوی	110/-	چالباز	110/-	خوف کا سمندر	400/-
حویلی کا خط	110/-	توپ کی چوری	110/-	نیلا عذاب	110/-	انوکھی چال	110/-	ہیرو کا دشمن	110/-	پروفیسر والا کی	300/-
بلی کا خوف	110/-	خفیہ تحریر	110/-	دروازہ کھلا ہے	110/-	چال کا جواب	110/-	اندھیرے کے سوداگر	110/-	شتر مرغ کا اغواء	300/-
کمرہ نمبر 420	110/-	نقاب کے پیچھے	110/-	رات کا مہمان	110/-	نیلاب نیل	110/-	پرانے شکاری نیا جال	110/-	سازشی دیوتا	300/-
خون کی تحریر	110/-	خونی محل	110/-	اجنبی کی آمد	110/-	آخری تصویر	110/-	قتل کی پیشکش	110/-	انتہائی طاقت	300/-
ہنگامے کی موت	110/-	آخری پیکٹ	110/-	سلاٹر	110/-	زخمی	110/-	خوف کا سایہ	110/-	واردات کا اسرار	300/-
بینک کے ڈاکو	110/-	فائل S-13	110/-	دوسری عدالت	110/-	ستاروں کا کھیل	110/-	زہریلا ٹکراو	110/-	پہاڑ کا سمندر	450/-
ہاتھ کی تلاش	110/-	لفافے کا راز	110/-	انجانا خطرہ	110/-	سیاہ فام	110/-	نیلا خون	110/-	چاند کی لاش	300/-
کالا شہر	110/-	گمنام کیمپ	110/-	کتے کی موت	110/-	کھردری آواز	110/-	مجرم کا چہرہ	110/-	جبرال نمبر تین	300/-
شومنا کی لاش	110/-	سوٹ کیس کا سفر	110/-	خونی تجربہ	110/-	انشارجہ کا جاسوس	110/-	تعاقب کا ہنگامہ	110/-	بے تکی وارداتیں	300/-
کان کا راز	110/-	دوہری چال	110/-	دوسرا کیمرہ	110/-	موت کی مشین	110/-	حکم کا شکنجہ	110/-	گھریلو شکار	300/-
فرضی قتل	110/-	خوفناک مکان	110/-	جوناٹ	110/-	منصوبے کا قاتل	110/-	خوفناک چال	110/-	روبوٹ کی لاش	390/-
خوفناک کتا	110/-	مجرم کا خوف	110/-	جوناٹ کی واپسی	110/-	پستول والا	110/-	فاروق کی روح	110/-	سازش کا تیر	240/-
خونی ایجاد	110/-	کالا طوفان	110/-	راٹور کی آمد	110/-	غریب ہیرے	110/-	دوسرا مجرم	110/-		
سائے کی موت	110/-	اندھی قید	110/-	مخلص قاتل	110/-	بہت بڑی بلا	110/-	پتھر پر تحریر	110/-		
کالی آنکھ	110/-	مشینی مخلوق	110/-	عجمی مہمان	110/-	اوچھا وار	110/-	سیاہ گلاب کا وار	110/-		

چار ناول ایک جلد میں

- جاسوس ہو تو ایسا ، چوتھا ٹکڑا ، ہیروں کا بکس ، چوکور نیلا ستارہ — 400/-
- پرانا ہوا ، خول در خول ، آخری ڈاکا ، سوزانی درندہ — 400/-
- خونی پروگرام ، انوکھا شکار ، دشمن شہر ، شہر کے قیدی — 400/-
- کوٹھی کا معمہ ، خونی دعوت ، شیشے کی گیند ، فرضی زمین — 400/-
- زرد لفافہ ، پرہول سازش ، نامعلوم دشمن ، قصبے کی روح — 400/-
- بھورانی کا مجرم ، غار کا گیت ، اونچی مہم ، بکاؤ مجرم — 400/-
- خون آلود خنجر ، ورے راٹا ، روبال ، خودکشی کی دعوت — 400/-

شاہکار خاص نمبر

- ملاشا کا زلزلہ 500/-
- سرخ تیر 500/-
- اغواء کی موت 400/-

دو ہزار روپے کی کتب منگوانے پر 10 فیصد رعایت

گھر پر منگوانے کیلئے فون کریں

کراچی فون نمبر: 021-34268800

موبائل نمبر: 03002472238

ہمارا ای میل: atlantis@cyber.net.pk

Visit us on facebook

http:\\www.facebook.com/InspectorJamshed

اٹلانٹس پبلکیشنز

A-69, Eastern Studios,
B-16, S.I.T.E, Karachi.